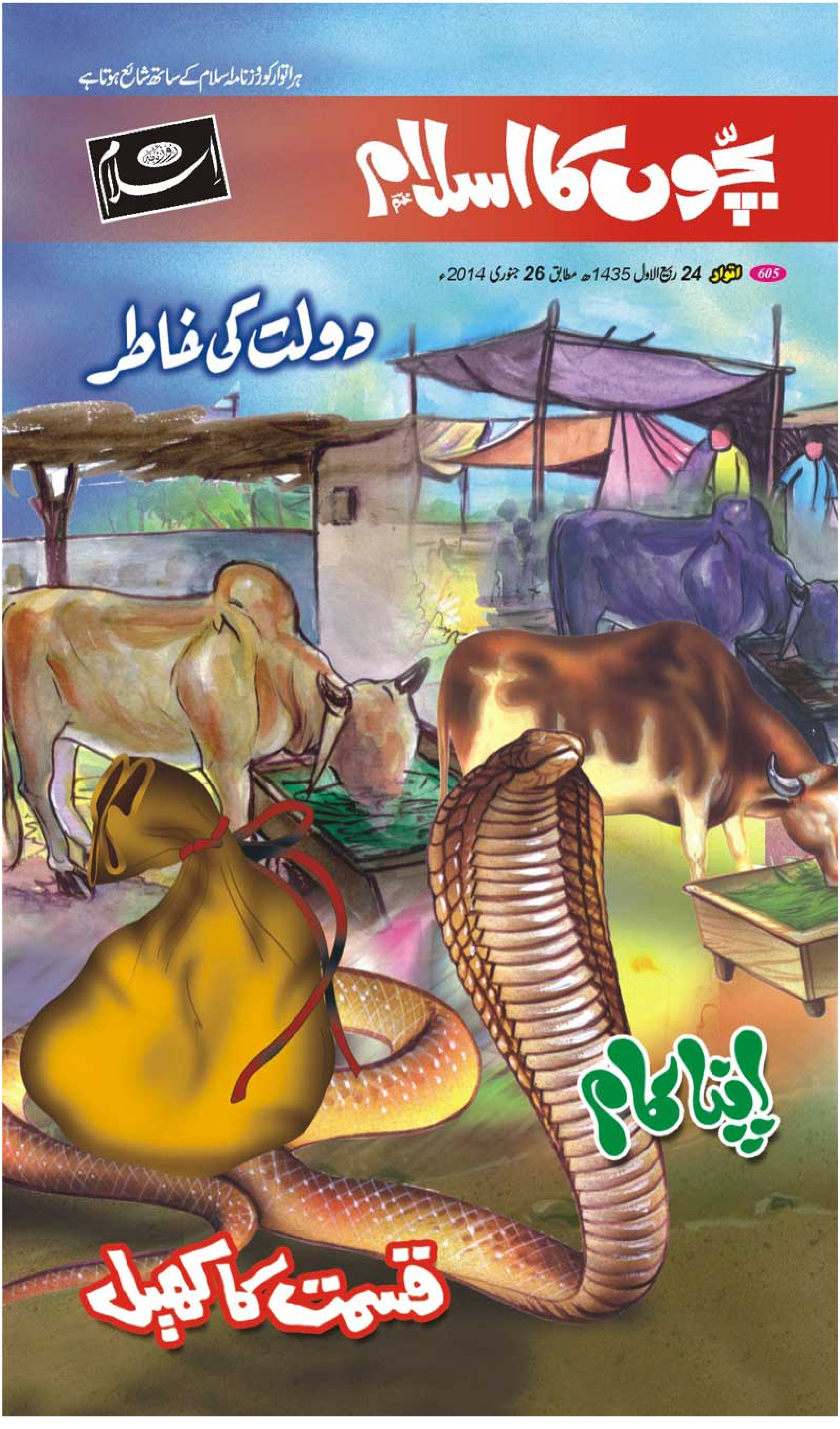

ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے
بچوں کا اسلام
روزنامہ اسلام
605 اتوار 24 ربیع الاول 1435ھ مطابق 26 جنوری 2014ء
دولت کی خاطر
اپنا کام
قسمت کا کھیل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

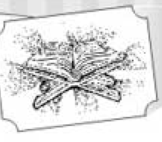

زبردست گناہ

’’بے شک اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے کمتر ہر بات کو جس کے لیے چاہتا ہے، معاف کر دیتا ہے اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے، وہ ایسا بہتان باندھتا ہے جو بڑا زبردست گناہ ہے۔ (سورۃ النسا:48)

روزے دار کی طرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
’’کھانا کھا کر شکر ادا کرنے والا، صبر کرنے والا، روزے دار کی طرح ہے۔‘‘ (ترمذی، ابن ماجہ)

دو باتیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ:

کسی کے بارے میں اگر کوئی بات مشہور ہو جائے تو وہ شخص کئی لحاظ سے مشکلات میں پھنس جاتا ہے اور یہ مشکلات کافی رنگ برنگی ہوتی ہیں... وہ ان رنگ برنگی مشکلات کے رنگ میں کچھ اس طرح رنگا جاتا ہے کہ اس کا اپنا آپ گم ہو جاتا ہے یا یوں کہہ لیں کہ وہ اپنے آپ کو گم کر بیٹھتا ہے اور پھر ساری عمر خود کو تلاش کرتا رہتا ہے، لیکن اپنے آپ کو ڈھونڈ نہیں پاتا... دوسرے تو بھلا کیا اسے تلاش کر پائیں گے، وہی تو سب اسے گم کرنے کا سبب بنے تھے...

ایسے ہی ایک گم شدہ شخص کے بارے میں آپ کو بتا رہا ہوں... وہ بے چارہ شہرت کی بھول بھلیوں میں گم ہو گیا تھا... لوگ اسے نہ جانے کیا سے کیا سمجھ بیٹھے... جب کہ تھا وہ صرف بے چارہ... آپ بے چارے کے ساتھ اگر مشہور کا لفظ بھی لگا لیں تو یہ بن جائے گا بے چارہ مشہور...

میرے ناولوں کا کردار فاروق اگر یہ سن لے تو کہہ اٹھے گا... بے چارہ مشہور... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے...

یہ جو بے چارے مشہور لوگ ہوتے ہیں نا، ان کی بے چارگیاں بھی عجیب و غریب ہوتی ہیں... وہ ان بے چارگیوں کے ہجوم میں پھنسے ہوتے ہیں، لیکن ان کی بے چارگیاں کسی دوسرے کو نظر نہیں آتیں... نظر آئیں بھی کیسے، وہ تو پہلے ہی گم ہو چکا ہوتا ہے... وہ تو خود کو بھی نظر نہیں آتا، دوسروں کو کیا نظر آئے گا... اس کی بے چارگیاں تو دور کی بات ہے...

یہ بے چارگیاں اسے مارے ڈالتی ہیں... اسے آہیں بھرنے پر مجبور کر دیتی ہیں... اس لیے کہ لوگ اس سے اس کی شہرت کی بنیاد پر امید وابستہ کر لیتے ہیں... میں یہاں اپنے ضربِ مومن کے کالم ’’امید‘‘ کی بات نہیں کر رہا، میں تو اس امید کی بات کر رہا ہوں جس کے نیچے شہرت یافتہ انسان دبا ہوتا ہے...

اور مجھے امید ہے... یہ دو باتیں اکثر کے سر کے اوپر سے گزر جائیں گی... یہ امید ہے ہی بڑی شرارتی... اس کی شرارتیں غضب ڈھاتی ہیں اور کبھی تو اس قدر نا امید کر دیتی ہیں کہ امید بے چاری پانی بھرتی نظر آتی ہے... اب کوئی لاکھ کہتا پھرے،

’’ہم امید سے ہیں‘‘ لیکن دراصل وہ امید سے نہیں، نا امید سے ہوتے ہیں...

کسی زمانے میں یہ بندہ افسانے لکھا کرتا تھا تو اسی قسم کی باتیں سوچا کرتا تھا جو اوپر لکھ دی ہیں... ان کا آسان اور سلیس ترجمہ یہ ہے کہ وہ مشہور و معروف آدمی ایک عام آدمی سے بھی زیادہ بے بس ہوتا ہے اور اس سے جو امیدیں وابستہ کر لی جاتی ہیں... وہ اس قدر خاص ہوتی ہیں کہ بے چارہ مشہور و معروف شہرت یافتہ انسان ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ پاتا...

ہو سکتا ہے، کچھ قارئین اب بھی بات نہ سمجھ پائے ہوں، ان کے لیے مزید آسان پیرایہ اختیار کرتا ہوں کہ یہی درویش کی صدا ہے...

وہ مشہور و معروف شخص دراصل نہ تین میں ہوتا ہے نہ تیرہ میں... لوگ خیال کر لیتے ہیں کہ وہ لاکھوں میں ایک ہے... بلکہ کروڑوں میں ایک ہے، لہٰذا ہمارے لیے نہ جانے کیا کچھ کر سکتا ہے، ایسے لوگ یہ خیال کر لینے کے بعد جب اس سے امیدیں وابستہ کر لیتے ہیں تو پھر جو اس کا حال ہوتا ہے... وہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے... اور جو اس کی وجہ سے نا امید ہونے والوں کا ہوتا ہے، آپ اس کے بارے میں بھی نہیں سوچ سکتے...

خیر چھوڑیں... آپ اپنے بارے میں تو سوچ سکتے ہیں نا... یہ کہ آپ کسی کی امیدوں پر کتنا پورا اتر سکتے ہیں... یا کوئی آپ سے کیسی کیسی امید وابستہ کر سکتا ہے... جب آپ یہ دو باتیں سوچ لیں گے تو یہ دو باتیں آپ کی سمجھ میں آ جائیں گی اور وہ شخص بھی آپ کے سامنے آ جائے گا... بلکہ آمنے سامنے آ جائے گا...

والسلام

سالانہ زرِ تعاون اندرونِ ملک: 600 روپے، بیرونِ ملک: 3700 روپے

خط کتابت کا پتہ ”بچوں کا اسلام“ دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983

بچوں کا اسلام انٹرنیٹ پر بھی: www.dailyislam.pk ای میل: bkislam4u@gmail.com

احساسِ ندامت

محمد اسلم گادی۔ شیخوپورہ

میں دفتر جانے کے لیے بالکل تیار ہو کر ناشتا کرنے کے لیے دسترخوان پر بیٹھا تھا۔ میرے ساتھ میرا چھوٹا بیٹا علی بیٹھا تھا اور گھر کے دیگر افراد بھی ناشتے میں شریک تھے۔ اچانک علی کے ہاتھ سے دودھ کا گلاس چھوٹا اور دودھ دسترخوان پر پھیل گیا۔ میں نے ایک زناٹے دار تھپڑ علی کے گال پر رسید کیا جس سے اس کا منہ لال ہو گیا۔

''اندھے ہو! نظر نہیں آتا۔ دھیان کہاں رہتا ہے تمہارا۔ ہر کام لاپروائی سے کرتے ہو۔'' میں غصے میں کہتا چلا گیا۔

''جانے دو بیٹا، ابھی نا سمجھ ہے۔ بڑا ہو گا تو سمجھ جائے گا۔ تم بھی تو بچپن میں ایسے ہی تھے۔'' امی جان نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''امی جان یہ نہیں سمجھ سکتا۔ اسے ہزار بار سمجھایا ہے کہ دھیان سے کام کیا کرو، لیکن اس پر کسی کے سمجھانے کا اثر ہی نہیں ہوتا۔ نجانے کیوں اتنی جلد بازی کرتا ہے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے اس نے دہی کا پیالہ گرا دیا تھا۔ ایک دن پہلے اس کے ہاتھ سے شیشے کا جگ گر کر ٹوٹ گیا تھا۔'' میں نے علی کے جرائم کی تفصیل بتائی۔

''بس جانے بھی دیجیے! آپ تو بچوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہیں۔ کم از کم کھانے کے وقت تو انھیں معاف کر دیا کریں۔'' بیگم نے علی کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ وہ اسے منانے میں مشغول تھیں جو سسکیاں لے کر رو رہا تھا۔

''چلو شاباش! اب ناشتا کرو۔ تمہارے سکول جانے کا وقت بھی ہونے والا ہے۔''

علی چپ چاپ ناشتا کرنے لگا۔

بچوں کے معاملے میں اکثر مجھ سے ایسی کوتاہی ہو جاتی تھی۔ کسی نہ کسی غلطی پر انھیں مارتا رہتا تھا، لیکن بعد میں غصہ ٹھنڈا ہوتا تو ندامت سی محسوس ہوتی اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا، پختہ عزم کرتا کہ دوبارہ ایسی غلطی نہیں کروں گا مگر پھر بھول جاتا۔ آج بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اپنے کیے پر ندامت سی محسوس ہو رہی تھی۔

''خالد بیٹے ایک بات کہوں۔'' اباجی کی آواز سن کر میں چونکا۔

''جی اباجی ضرور کہیے۔'' میں نے فرماں برداری سے کہا۔

''میں نے کبھی کسی غلطی پر اپنے بچوں کو نہیں مارا۔ مار پیٹ سے بچے ڈھیٹ ہو جاتے ہیں۔ انھیں پیار محبت سے سمجھانا چاہیے اور سب کے سامنے نہیں سمجھانا چاہیے، بلکہ الگ لے جا کر بتائیں کہ تم نے یہ کام غلط کیا ہے۔''

''ٹھیک ہے اباجی! میں اپنی پوری کوشش کروں گا کہ آپ کی باتوں پر عمل کروں۔'' میں نے گھڑی پر نظر ڈالی تو ساڑھے سات بج رہے تھے۔ دفتر کا وقت شروع ہونے میں تقریباً آدھ گھنٹا باقی تھا اور میرا دفتر میرے گھر سے کافی فاصلے پر تھا۔ موٹر سائیکل پر 25 منٹ کا راستہ تھا۔

''اچھا اباجی اب مجھے اجازت دیجیے۔ مجھے دفتر سے دیر ہو رہی ہے۔''

''جیتے رہو بیٹا۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔'' اباجی نے دعائیں دیں۔

میں جلدی میں اپنی جگہ سے اٹھا، لیکن نجانے کیسے میرا پاؤں سالن کے ڈونگے سے ٹکرایا اور دسترخوان کسی سیلاب زدہ علاقے کا منظر پیش کرنے لگا۔ میں نے پلٹ کر علی کی طرف دیکھا تو اس کی نظریں میرے چہرے پر گڑی تھیں اور اس کی خاموشی مجھ سے کہہ رہی تھی۔

''ابو جی! آپ اپنے لیے کیا سزا تجویز کرتے ہیں۔''

میری نظریں شرم سے جھکتی چلی گئیں۔

مغرب کا عبرت ناک ماحول

غلام عمر۔ مظفرگڑھ

امریکہ کا ایک شہر ہے لاس اینجلس۔ وہاں کے ایک دوست مجھے ایک بازار میں لے گئے اور بتایا کہ یہ بازار دنیا کا سب سے مہنگا بازار ہے اور یہاں چیزیں سب سے مہنگی بکتی ہیں، میں نے پوچھا کہ کتنی مہنگی بکتی ہیں؟ انھوں نے مجھے بتایا کہ یہاں ایک موزے کی قیمت دو ہزار ڈالر ہے، ٹائی کی قیمت تین ہزار ڈالر ہے، سوٹ کی قیمت دس ہزار، پندرہ ہزار، بیس ہزار، پچاس ہزار، ایک لاکھ ڈالر تک ہے۔ ایک دکان کے پاس سے گزرے تو ہمارے میزبان دوست نے بتایا کہ اس دکان کے ایک حصے میں تو آدمی خریداری کے لیے جا سکتا ہے، اس کے دوسرے حصے میں جانے کے لیے ایک زینے پر جانا پڑتا ہے۔ اس حصے میں کسی شخص کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی جب تک دکان کا مالک خود اسے ساتھ لے کر نہ جائے اور وہاں لے جانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مالک اس شخص کو بہت سے رنگوں کے کپڑے اور بہت سے نمونوں کے کپڑے دکھاتا ہے اور پھر مالک اسے مشورہ دیتا ہے کہ آپ کے جسم کے لیے کون سا رنگ اور کون سا نمونہ مناسب رہے گا اور پھر مالک اس گاہک سے صرف مشورہ دینے کے دس ہزار ڈالر وصول کرتا ہے اور سوٹ کی خریداری کے پیسے الگ ہوں گے۔ شہزادہ چارلس نے اس سے مشورہ کے لیے ٹائم مانگا تھا تو اس نے 6 ماہ کے بعد ملاقات کا وقت دیا اور کہا:

''آپ چھ ماہ بعد فلاں وقت تشریف لائیں تو آپ کو بتاؤں گا کہ آپ کون سے رنگ کا اور کون سے نمونے کا جوڑا پہنیں۔''

بات دراصل یہ ہے کہ دولت کی ہوس ختم نہیں ہوتی اور جب دولت آ گئی تو اسے کہاں خرچ کریں، چنانچہ اس دولت کو خرچ کرنے کے لیے یہ راستے تلاش کر لیے، اب اس میں دولت خرچ ہو رہی ہے۔ پانی کی طرح بہائی جا رہی ہے۔

ابھی ہم لوگ اسی سڑک پر ایک میل دور ہی گئے تھے، وہاں یہ عجیب منظر دیکھا کہ ہر اشارے پر بھکاری، بھیک مانگ رہے ہیں، چنانچہ ایک بھکاری جب ہماری گاڑی کے پاس آیا تو میرے دوست نے اس سے کہا کہ اس وقت میرے پاس پیسے نہیں ہیں، اس بھکاری نے کہا کہ میں ڈالر نہیں مانگ رہا، اگر آپ کے پاس ریزگاری ہو تو وہ دے دیجیے، اس لیے کہ میں کھانے کو ترس رہا ہوں۔

ایک طرف تو یہ حال ہے اور دوسری طرف دو ہزار ڈالر کے موزے بک رہے ہیں، آخر دولت جمع کرنے کی کوئی حد اور انتہا تو ہو گی، جتنی دولت ہو گی، پہلے اسے تو خرچ کر لیں۔ پھر بعد میں فکر کرنا، یہ دنیا کی ہوس ایسی نہ ختم ہونے والی ہوس ہے جس کی کوئی حد اور انتہا نہیں، اسے ''جوع البقر'' کہا جاتا ہے، یعنی ایسی بھوک جو کبھی مٹتی نہیں۔ چاہے جتنا کھا لے، ایسی پیاس ہے جو کبھی بجھتی نہیں۔ چاہے جتنا پانی پی لے۔

علامہ اقبال رحمہ اللہ نے اس بارے میں فرمایا ہے:

مغرب کی غلامی پر رضامند ہوا تو
مجھے گلہ تجھ سے ہے، مغرب سے نہیں۔ (مولانا تقی عثمانی)

عبداللہ فارانی

95

واقعات صحابہ کے

قدم بہ قدم

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا:

''السلام علیکم اے اللہ کے رسول۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔''

پھر دوسرے نے آکر کہا:

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔''

آپ نے فرمایا:

''وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔''

پھر تیسرے نے آکر کہا:

''السلام علیکم اے اللہ کے رسول ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ''

اس پر آپ نے فرمایا:

''وعلیک۔''

اس پر ان صاحب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! فلاں اور فلاں نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے تینوں کو جواب دیا، لیکن پہلے دونوں کو آپ نے مجھ سے اچھا جواب دیا''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم نے سلام میں کوئی چیز تو چھوڑی نہیں (یعنی تم نے مکمل سلام کیا) اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اور جب تمہیں کوئی شرعی طور پر سلام کرے تو اس سلام سے اچھے الفاظ میں سلام کیا کرو یا ویسے ہی الفاظ کہہ دو، چونکہ تم نے سلام میں سارے ہی الفاظ کہہ دیے، اس لیے میں نے تمہارے سلام کا جواب تمہارے ہی الفاظ میں دے دیا ہے۔'' (طبرانی 33/8)

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

''اے عائشہ! یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں (یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام اس وقت وحی لے کر آئے تھے) تمہیں سلام کہہ رہے ہیں۔''

یہ سن کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔''

یہاں تک کہہ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کچھ اور بھی الفاظ بڑھانے لگیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سلام ان الفاظ پر پورا ہو جاتا ہے۔''

اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا:

''رحمۃ اللہ وبرکاتہٗ علیکم اہل البیت۔''

(طبرانی 33/8)

O

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے اندر آنے کی اجازت لینے کے بعد فرمایا:

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔''

جواب میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بالکل آہستہ آواز میں کہا:

''وعلیک السلام ورحمۃ اللہ!''

آہستہ آواز کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن نہ سکے۔ تین مرتبہ یہی ہوا، یعنی آپ نے سلام کیا اور حضرت سعد نے بالکل آہستہ آواز میں جواب دیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس جانے لگے تو حضرت سعد باہر نکل کر آپ کی طرف لپکے اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کا ہر سلام میرے کانوں تک پہنچا اور میں نے آپ کے ہر سلام کا جواب دیا، لیکن ارادۃً آہستہ سے کہا، تاکہ آپ سن نہ سکیں۔ میں نے چاہا کہ آپ کے سلام کی برکت زیادہ سے زیادہ حاصل کر لوں۔''

پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر لے گئے۔

O

حضور صلی اللہ علیہ وسلم انصار سے ملنے کے لیے جایا کرتے تھے۔ جب آپ انصار کے گھروں میں تشریف لاتے تو انصار کے بچے آکر آپ کے گرد جمع ہو جاتے۔ آپ ان کے لیے دعا فرماتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے اور انھیں سلام کرتے۔

O

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب نہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ اب یہ دونوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

دورہ حدیث کے طلبہ کے لیے خوشخبری

ارشاد القاری الیٰ صحیح البخاری

نیا کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن مارکیٹ میں دستیاب ہے

کل قیمت 550 روپے

رعایتی قیمت 330 روپے

براہ راست منگوانے پر ڈاک خرچ مفت

تالیف

مفتی اعظم حضرت اقدس مولانا مفتی رشید احمد قدس اللہ سرہٗ

1- ملتان 0300-7301239

2- راولپنڈی 0321-5123698

3- پشاور 0314-9896344, 091-2580331

4- بہاولپور 0333-6387755, 0622731847

5- اٹک 0302-5475447

6- لاہور 0321-4538727

7- فیصل آباد 0321-7693142

8- ساہیوال 0321-6950003

9- کوئٹہ 0321-8045069

10- رحیم یار خان 0321-2647131

11- ہری پور 0301-8145854

12- سرگودھا 0321-6018171

دوکان نمبر 11، اسلام کتب مارکیٹ، نزد جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، رابطہ نمبر 0314-2139797 (کراچی)

عنہ کے پاس آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا:

''آپ نے اپنے بھائی کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''اللہ کی قسم! میں نے ان کے سلام کو سنا ہی نہیں۔ میں تو کسی گہری سوچ میں گم تھا۔''

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''آپ کس سوچ میں تھے؟''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں شیطان کے خلاف سوچ رہا تھا کہ وہ ایسے برے خیالات میرے دل میں ڈال رہا تھا کہ زمین پر جو کچھ ہے، وہ سارا مجھے مل جائے۔ میں ان خیالات کو زبان پر نہیں لا سکتا۔ (یعنی جو جو خیالات شیطان میرے دل میں ڈال رہا تھا) جب شیطان نے میرے دل میں یہ برے برے خیالات ڈالنے شروع کیے تو میں نے دل میں کہا:

''اے کاش! میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتا کہ ان شیطانی خیالات سے کیسے نجات ملے گی۔''

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تھی اور میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ شیطان جو برے خیالات ہمارے دلوں میں ڈالتا ہے، ان سے ہمیں نجات کیسے ملے گی۔ اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، ان سے نجات تمھیں اس طرح ملے گی کہ تم وہ کلمہ کہہ لیا کرو جو میں نے موت کے وقت اپنے چچا کو پیش کیا تھا، لیکن انھوں نے وہ کلمہ نہیں پڑھا تھا۔'' (یعنی کلمہ شہادت پڑھ لیا کرو)

O

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مسجد میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سلام کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں نظر بھر کر دیکھا، لیکن ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے دو مرتبہ یہ کہا:

''اے امیر المومنین! کیا اسلام میں کوئی نئی چیز پیدا ہو گئی ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''کیا ہوا؟''

انھوں نے کہا:

''اور تو کوئی بات نہیں! البتہ بات یہ ہے کہ میں ابھی ابھی مسجد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا تو میں نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے مجھے نظر بھر کر دیکھا، لیکن سلام کا جواب نہ دیا۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آدمی بھیج کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوایا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آ گئے تو ان سے پوچھا، آپ نے اپنے بھائی کے سلام کا جواب کیوں نہ دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''اے امیر المومنین! میں نے تو ایسا نہیں کیا۔''

یہ سن کر حضرت سعد بن ابی وقاص نے فوراً کہا:

''آپ نے ایسا کیا ہے۔''

اس پر بات اتنی بڑھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قسم کھا لی اور ادھر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنی بات پر قسم کھا لی۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ بات یاد آ گئی تو انھوں نے کہا:

''استغفر اللہ واتوب الیہ۔ آپ میرے پاس سے گزرے تھے۔ اس وقت میں اس بات کے بارے میں سوچ رہا تھا جو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اور وہ بات ایسی ہے کہ جب بھی مجھے یاد آتی ہے تو میری نگاہ پر اور میرے دل پر ایک پردہ پڑ جاتا ہے، جس کی وجہ سے نہ مجھے کچھ نظر آتا ہے اور نہ کچھ سمجھ آتا ہے۔''

اس پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں آپ کو وہ بات بتاؤں، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے ابتدائی حصے کا ذکر فرمایا کہ دعا کے شروع میں اسے پڑھنا چاہیے۔ اتنے میں ایک دیہاتی آ گیا اور آپ اس سے باتوں میں مشغول ہو گئے۔ پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور چل پڑے۔ میں بھی آپ کے پیچھے چل پڑا۔ پھر مجھے خطرہ ہوا کہ میرے پہنچنے سے پہلے کہیں حضور گھر کے اندر نہ چلے جائیں، اس لیے میں نے زمین پر زور سے پاؤں مارے۔ اس پر آپ میری طرف متوجہ ہو گئے اور فرمایا:

''یہ کون ہے۔ ابو اسحاق ہے؟''

انھوں نے کہا:

''جی ہاں!''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''کیا بات ہے؟''

انھوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! اور تو کوئی بات نہیں۔ بس یہ بات ہے کہ آپ نے دعا کے ابتدائی حصے کا ذکر فرمایا تھا۔ پھر وہ دیہاتی آ گیا اور بات درمیان میں رہ گئی۔''

آپ نے فرمایا:

''ہاں! وہ مچھلی والے حضرت یونس علیہ السلام کی دعا ہے جو انھوں نے مچھلی کے پیٹ میں مانگی تھی۔ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔ ان کلمات کے ساتھ جو مسلمان دعا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور قبول کریں گے۔'' (جاری ہے)

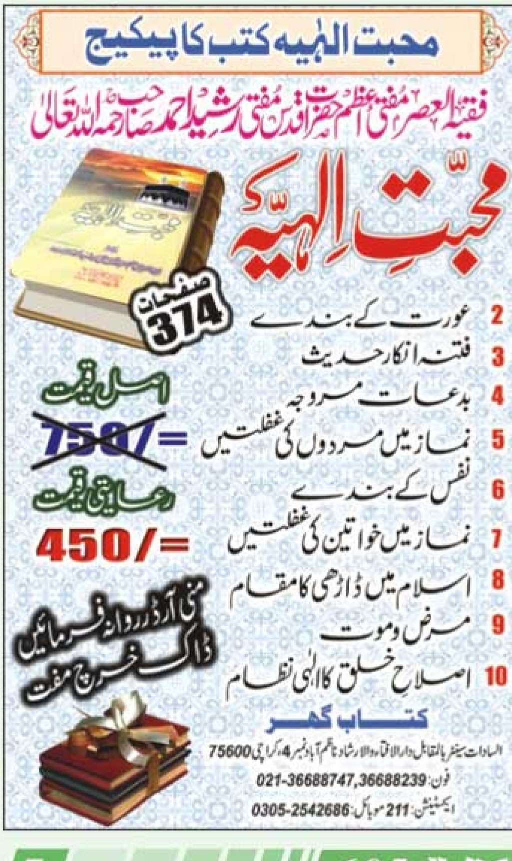

بدنصیب ہوٹل

5

اشتیاق احمد

''ہاں ... پروفیسر صاحب تک پہنچانے کی فیس ... اگر میں تمھیں یہیں سے لوٹا دوں تو تم پروفیسر صاحب تک کس طرح پہنچو گے۔''

''ہوں ... بات تو ٹھیک ہے۔'' یہ کہتے ہوئے محمود نے نام کی پلیٹ پر نظر ڈالی۔ اس پر پروفیسر قادری لکھا تھا۔

''آپ کی فیس کتنی ہے جناب؟''

''صرف دو سو روپے۔''

''اور پروفیسر صاحب کی؟'' محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

''ایک ہزار روپے۔''

''گویا ہمیں بارہ سو روپے خرچ کر کے چور کا سراغ ملے گا، چاہے ہماری چوری بارہ سو روپے کی ہوئی بھی نہ ہو۔''

''یہ آپ دیکھ لیں ... فیس کے بغیر آپ کچھ معلوم نہیں کر سکتے۔''

''اچھا بھائی ... یہ لو دو سو روپے۔'' محمود نے بٹوے میں سے دو سو روپے نکال کر دے دیے۔

وہ انھیں اپنے ساتھ اندر لے گیا اور ایک کمرے میں بٹھاتے ہوئے بولا:

''پروفیسر صاحب ساتھ والے کمرے میں مصروف ہیں ... جوں ہی فارغ ہوئے، میں آپ کو ان کے سامنے پیش کر دوں گا ... فی الحال یہاں بالکل خاموشی سے بیٹھے رہیں ... باتیں نہ کریں ... اگر آپ کی آواز پروفیسر صاحب کے کانوں میں پڑ گئی ... تو ان کا ذہن بھٹک جائے گا۔'' اس نے سرگوشی کی۔

''اچھی بات ہے ... آپ فکر نہ کریں ... ہم بالکل خاموش بیٹھے رہیں گے۔'' فاروق نے دبی آواز میں کہا۔

''شکریہ!'' ملازم نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر محمود دبے پاؤں دروازے تک گیا ... اس نے دروازہ تھوڑا سا کھولا اور سر باہر نکال کر دیکھا ... برآمدہ سنسان پڑا تھا ... ساتھ والے کمرے کا دروازہ بند تھا ... اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ... کمرے سے نکلا اور اس دروازے سے کان لگا دیے ... فوراً ہی اس کے کانوں سے کسی کی آواز ٹکرائی:

''ٹھیک ہے ... باسط ... اسے ایک گھنٹے بعد ہوٹل باری کے ہال میں موجود ہونا چاہیے ... خیال رہے، اس کی میز پر کوئی اور نہ ہو۔''

''اوکے سر ... آپ فکر نہ کریں ... یہ کام ہو جائے گا۔'' وکیل کی آواز میں ہلکی سی کپکپی تھی۔

''اب تم اسے لے جاؤ ... اس کی طرف سے ہمیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''جی بہتر۔''

محمود فوراً پیچھے ہٹا اور کسی سے ٹکرا گیا ... چونک کر مڑا تو پروفیسر کا ملازم اسے گھور رہا تھا ... اور پہلے کمرے کے دروازے پر فاروق پریشانی کے عالم میں ہاتھ مل رہا تھا ... ملازم نے محمود کو بازو سے پکڑا اور اسے کھینچ کر پہلے کمرے میں لے آیا:

''یہ کیا حرکت تھی۔'' اس نے سرگوشی کی۔

''میں پروفیسر صاحب کی آواز سننے کے لیے بے چین تھا۔'' محمود بولا۔

''اپنی باری پر سن لیتے ... اتنی بھی کیا بے چینی۔''

''جی بس ... غلطی ہو گئی۔''

اُسی وقت برآمدے میں گھنٹی بجی . . . ملازم اُچھل پڑا۔

''اب غلطی نہ ہو۔'' وہ غرایا۔

''جی اچھا ... آپ فکر نہ کریں۔'' محمود نے فوراً کہا۔

وہ کمرے سے نکل گیا۔

''فاروق! اب تم جاؤ۔''

''کہاں جاؤں۔'' فاروق نے گھبرا کر کہا۔

''پروفیسر کے دروازے پر وکیل باسط راہی، رگو بابا کو لے کر جا رہا ہے۔ جوں ہی وہ نکلیں، تم دروازے سے کان لگا دینا۔''

''لیکن اس کی کیا ضرورت ہے ... پہلے ہی ہماری حرکت ملازم پکڑ چکا ہے۔''

''تو کیا ہوا ... اگر اس نے ہمارے بارے میں کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ... ہم دو سو روپے والی بات بتا دیں گے۔''

''ہوں ... یہ بھی ٹھیک ہے۔'' فاروق نے کہا اور دروازہ کھول کر برآمدے میں جھانکا، پھر جلدی سے پیچھے ہٹ گیا ... اور جھری میں سے دیکھتا رہا ... محمود بھی اس کے ساتھ کھڑا تھا ... انھوں نے دیکھا باسط راہی، رگو بابا کو بازو سے پکڑے لیے جا رہا تھا ... وہ نیند میں محسوس ہو رہا تھا ... قدم لڑکھڑا رہے تھے ... جوں ہی وہ نظروں سے اوجھل ہوئے ... فاروق باہر نکل آیا اور دروازے سے جا لگا:

''ہوں ٹھیک ہے۔'' اندر آواز اُبھری:

ساتھ ہی دروازہ کھلا اور فاروق جھونک میں ملازم سے ٹکرا گیا ... ملازم گھبرا گیا۔

''یہ ... یہ کیا؟'' پروفیسر کی آواز سنائی دی۔

فاروق نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر حیران رہ گیا ... اسی وقت محمود بھی اس تک پہنچ گیا۔

○

انسپکٹر جمشید اور فرزانہ سیدھے ہوٹل افشاں پہنچے ... کاؤنٹر کے پاس ہی اونچے اسٹول پر سیٹھ بھلوان بت بنا بیٹھا تھا ... اور پوری طرح ہونق نظر آ رہا تھا ... ہوٹل کی حفاظت کے لیے ابھی پولیس نہیں پہنچی تھی ...

''کیوں ... کیا ہوا، خیر تو ہے؟''

''اس وقت تک تو میں ہوٹل کی بدنامی اور گاہکوں کے غائب ہونے کو رو رہا تھا، لیکن اب اس نے دھمکی دی ہے کہ میرے ہوٹل کو کھنڈر بنا دے گا ... گویا اب یہ عمارت بھی میرے ہاتھ سے جائے گی۔''

''ہوں! فون پر جب اس سے بات ہوئی تھی تو کیا اس نے کسی کے فون کرنے کے بارے میں پوچھا تھا۔''

''ہاں بالکل پوچھا تھا ... اور میں نے اسے بتا دیا تھا کہ کوٹ گڑھ 113 سے اختر بخاری نے فون کیا تھا کہ وہ اپنے کسی عزیز کو قتل کروانا چاہتا ہے ... یہ سن کر اس نے کہا تھا کہ اس اطلاع کے لیے شکریہ، لیکن چونکہ آپ نے پولیس سے رابطہ قائم کر لیا ہے ... اب ہوٹل کو کھنڈر میں تبدیل ہونے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔''

''اس کی اس دھمکی کے باوجود آپ ہوٹل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''تو پھر ... اور کیا کروں۔''

''کیا ہوٹل کے ساتھ خود کو بھی ٹکروں میں تبدیل ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے؟''

''یہ ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ... کیا وہ ہوٹل کو بم سے اڑائے گا۔''

''کھنڈر بنانے کا اس سے اچھا طریقہ اور کون سا ہے۔'' فرزانہ مسکرائی۔

”اوہ!“ وہ دھک سے رہ گیا۔

”اور آپ کا عملہ کہاں گیا؟“ انسپکٹر جمشید نے چاروں طرف دیکھا۔ کوئی بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

”سب ساتھ چھوڑ گئے... سوائے اس کے۔“ اس نے درد بھری آواز میں کہا۔

”سوائے اس کے... کیا مطلب؟“

”آپ دیکھ نہیں رہے... میرے پیروں میں کون بیٹھا ہے۔“

انھوں نے جلدی سے نیچے دیکھا... سفید رنگ کی ایک پیاری سی بلی سیٹھ بھلوان کی ٹانگ سے ناک رگڑ رہی تھی...

”سب چلے گئے... یہ نہیں گئی۔“

”ہوں، لیکن اب آپ کو بھی یہاں سے نکل جانا چاہیے۔“ انسپکٹر جمشید بولے۔

”اوہو... یہ میں کیا سن رہی ہوں... ارے... جلدی کیجیے... ابا جان... فوراً باہر نکل چلیے۔“ یہ کہتے ہی فرزانہ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور باہر کی طرف دوڑ پڑی۔

سیٹھ بھلوان بوکھلا اُٹھا... تیزی سے جھکا... بلی کو اُٹھایا اور ان کے پیچھے دوڑا... جلد ہی وہ ہوٹل سے باہر تھے:

”کیا بات تھی فرزانہ؟“

”میں نے ٹک ٹک کی بہت ہی ہلکی آواز سنی ہے... شاید ٹائم بم لگایا جا چکا ہے۔“

”اوہ!“ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

عین اسی وقت پولیس کی چند گاڑیاں آکر رُکیں... کانسٹیبل نیچے اترنے لگے... انسپکٹر جمشید تیزی سے ان کی طرف بڑھے۔

”ہم لوگ اس ہوٹل کو شاید اب نہیں بچا سکتے... آپ آس پاس کی عمارتوں کو خالی کرانا شروع کر دیں... اندر ٹائم بم رکھا جا چکا ہے... اسے تلاش کرنے کا خطرہ مول نہیں لیا جاسکتا، کیوں کہ ایک انسانی جان بھی اس پوری عمارت سے زیادہ قیمتی ہے۔“

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں... آپ کو کیسے معلوم ہوگیا کہ ہوٹل میں ٹائم بم رکھا جا چکا ہے۔“

”ٹک ٹک کی آواز سے۔“ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

”اوہ!“ ان کے منہ سے نکلا۔

پولیس اپنے کام میں مصروف ہوگئی... آس پاس کی عمارتوں کے لوگ خوف زدہ ہوکر باہر نکلنے لگے، پھر سڑکوں پر ایک ہجوم جمع ہوگیا... اس ہجوم میں وہ بھی شامل تھے... سب لوگ ہوٹل سے کافی فاصلے پر کھڑے تھے... سب کی نظریں اس پر جمی تھیں، پھر کسی نے بلند آواز میں کہا:

”پولیس کو ضرور وہم ہوگیا ہے۔“

”ہمیں نہیں... یہاں ایک صاحب موجود تھے... سیٹھ بھلوان کے ساتھ کھڑے تھے... انھوں نے ہمیں بتایا تھا کہ ہوٹل کے اندر بم کی آواز سنی گئی ہے۔“ ایک پولیس آفیسر نے بلند آواز میں کہا۔

”بم کی آواز... تو کیا... بم کی آواز بھی ہوتی ہے۔“ ایک نے چلا کر کہا۔

”وہ صاحب کہاں ہیں... جنھوں نے آواز سنی تھی؟“

”میں یہ رہا۔“ انسپکٹر جمشید آگے نکل کر بولے تھے۔

”آپ کو ہم سب لوگوں کو پریشان کر کے کیا ملا؟“

”ابھی تک کچھ نہیں ملا... میں خود پریشان ہو رہا ہوں۔“ وہ مسکرائے۔

”آؤ بھائیو... چلیں... اپنا کام کاج کریں۔“ ایک اور آدمی نے چلا کر کہا۔

”ہاں ٹھیک ہے... چلو۔“

”میں آپ لوگوں کو اس کا مشورہ نہیں دوں گا... احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ آپ ہوٹل کے نزدیک نہ جائیں۔“

”آخر احتیاط کا تقاضا کب تک رہے گا۔“ ایک طنزیہ آواز اُبھری۔

”جب تک خطرہ ٹل نہیں جاتا۔“ وہ بولے۔

”ہمیں تو خطرہ دور دور تک نظر نہیں آرہا۔“

”بم کی آواز سنی جاسکتی ہے... دیکھی نہیں جاسکتی۔“ فرزانہ تلملا کر بولی۔

”یہ آپ کی ساتھی ہیں؟“ ایک نے پوچھا۔

”ہاں! یہ میری بیٹی ہے... اس نے بم کی آواز سنی تھی... اور یہ اس کام کی بہت ماہر ہے... یعنی بم کی آواز پہچاننے کی۔“ انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ لوگ سہم جائیں اور نزدیک نہ جائیں۔

”لیکن اس بار ضرور انھوں نے غلط اندازہ لگایا ہے۔“

”تو پھر جائیے... عمارتوں میں چلے جائیے۔“ فرزانہ جل گئی۔

”نہیں فرزانہ... یہ نہ کہو... یہ انسان ہیں... ہمارے بھائی ہیں... ان کی موت کا صدمہ ہمیں بھی ہوگا۔“ انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

لوگوں نے پہلے تو برے برے منہ بنائے اور پھر عمارتوں کی طرف قدم اُٹھانے لگے... ایسے میں سیٹھ بھلوان بولا:

”آپ کو واقعی وہم ہوا تھا۔“

”نہیں... یہ وہم نہیں تھا... میں ایک بار پھر آپ لوگوں سے درخواست کرتا ہوں... ذرا دیر اور ٹھہر جائیں... آخر اس میں آپ کا کیا حرج ہے۔“

”ہم اپنے کام کا حرج کیوں کریں۔“ کئی آوازیں اُبھریں۔

انسپکٹر جمشید اور فرزانہ نے بے بسی کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

”افسوس... ہم کیا کر سکتے ہیں... پولیس بھی اب یہی سوچ رہی ہے کہ ہمیں ضرور وہم ہوگیا ہے... ورنہ پولیس والے ان لوگوں کو روک سکتے تھے۔“

عین اسی وقت ایک کان پھاڑ دینے والا دھماکا ہوا... دھماکا اس قدر شدید تھا کہ دور کھڑے لوگ بھی اُچھل اُچھل کر گرے، گرنے والوں میں خود وہ بھی تھے... اور پھر وہ سب گرد و غبار میں چھپ کر رہ گئے:

(جاری ہے)

مایوھم بشکل سیرپ۔ چائے

تیزی سے بلڈ پریشر، کولسٹرول، LDL، موٹاپا کنٹرول کرنے میں معاون انجائنا کے درد میں افاقہ، دل کے کمزور عضلات کو مضبوط کرنے، پھیپھڑوں کے انفیکشن، جمے بلغم کو نکالنے اور سانس لینے میں سہولت کے لئے انتہائی مفید، جدید سائنس کی تحقیقات سے ثابت شدہ

مزید تفصیلات کیلئے Www.terminaliaarjuna.com

ملنے کے پتے:

مدینہ جڑی بوٹی اسٹور، مدینہ مارکیٹ ملیر 15، کراچی

السعید میڈیکل اسٹور جامعہ ملیہ روڈ شاد باغ ہاؤسنگ پراجیکٹ انوار العلوم کراچی

گڈ لک ٹریڈرز، موتی مسجد ڈینسو ہال ایم اے جناح روڈ کراچی 021-32637515

نیشنل کیمسٹ، دہلی کالونی، کراچی 021-35869950

شمس ٹریڈرز، رحیم بخش مارکیٹ ملیر 15، کراچی، 0321-3970886

الیس عطا اینڈ سنز، موتی مسجد ڈینسو ہال ایم اے جناح روڈ کراچی

مورو میڈیکوز بالمقابل نیشنل اسٹیڈیم، کراچی 021-34933664

دار الشفاء ٹریڈرز مدنی مسجد ڈینسو ہال کراچی

اے۔ ڈی۔ ایم اسٹور بالمقابل جناح ہسپتال کراچی 0333-2141800

رائل میڈیکوز، کارساز روڈ بالمقابل پی این ایس کارساز، کراچی

نسیم پنسار، اولڈ مظفر آباد کالونی روڈ نمبر 2 شاہی مسجد لانڈھی، کراچی

پاک طبی دواخانہ، نزد مچھلی فروش گلبہار، نیا گولیمار، کراچی

ڈسٹری بیوٹر درکار ہیں 0333-2462696 عمران صاحب

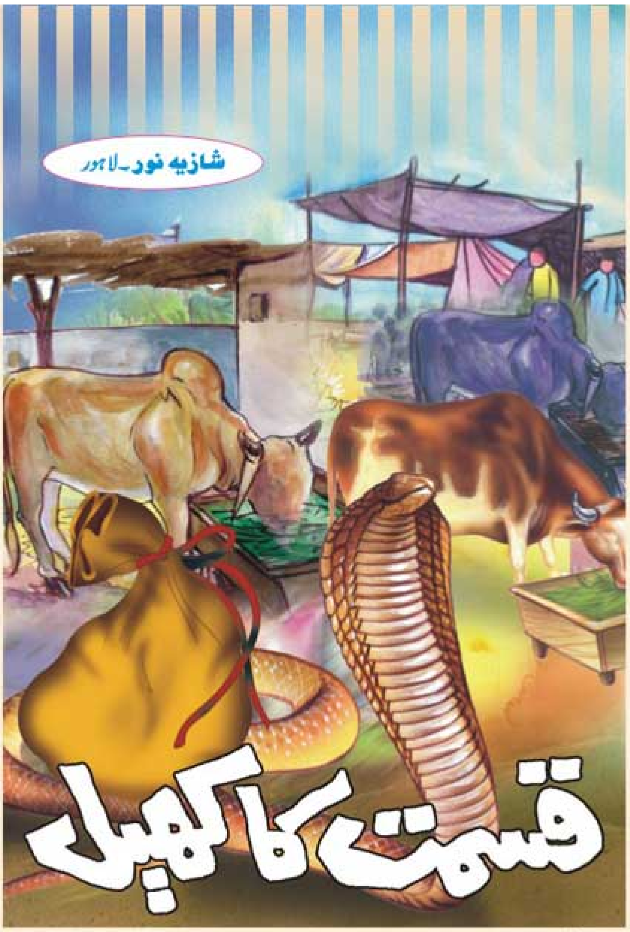

خلیل احمد حسبِ معمول صبح صبح مویشیوں کے باڑے میں داخل ہوا، وہ ساتھ ساتھ تسبیح بھی پڑھ رہا تھا۔ یہاں آکر اس نے بھینسوں کو چارہ تیار کر کے دینا ہوتا تھا اور دینو سے صفائی کرانا ہوتی تھی۔ ابھی دینو نہیں آیا تھا، خلیل احمد بھینسوں کا جائزہ لینے لگا۔ یہ سب اعلیٰ قسم کی گائے بھینسیں تھیں اور ان سب کا مالک گاؤں کا سردار نثار علی تھا۔ خلیل احمد صبح شام ان کے چارے کی نگرانی کرتا تھا۔ اچانک اس کے قدم رک گئے۔ ایک جگہ پر تین بھینسیں زمین پر گری ہوئی تھیں اور ان کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔ خلیل احمد کا دل حلق میں آگیا۔ اس نے بھینسوں کا جائزہ لیا۔ بھینسیں مر چکی تھیں۔ ”اُف! یہ کیا ہوگیا؟ کیسے ہوگیا؟“ وہ بھینسوں کے جسم کو دبا کر دیکھنے لگا، شاید وہ اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ بھینسوں کو مرے کتنی دیر ہوچکی ہے۔

ابھی وہ کچھ سمجھ نہیں پایا تھا کہ دینو بھی پہنچ گیا۔ مری ہوئی بھینسیں دیکھ کر اس کے اوسان بھی خطا ہوگئے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی، یہ سردار کی انتہائی قیمتی بھینسیں تھیں۔

تھوڑی ہی دیر میں یہ خبر پورے گاؤں میں پھیل چکی تھی کہ سردار کی تین بھینسیں اچانک مرچکی ہیں۔

سردار غصے سے آگ بگولا ہو رہا تھا۔ اس کے سارے عتاب کا نشانہ خلیل احمد بن رہا تھا اور خلیل احمد خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔

”سردار اس میں میرا کچھ قصور نہیں ہے، میں پہنچا تو یہ مرچکی تھیں۔“

”نگران کے منہ سے نکلتا جھاگ بتا رہا ہے کہ یہ زہر کے اثر سے مری ہیں اور بھینسوں کو خوراک دینے کا کام تمہارے سپرد ہے۔“ سردار غصے سے کہہ رہا تھا۔

خلیل احمد نے اپنی صفائی پیش کرنے کی بہت کوشش کی، مگر سردار پر کوئی اثر نہ ہوا اور اس نے خلیل احمد کو قید میں ڈال دیا۔

خلیل احمد کی بیوی بہت پریشان تھی۔ گاؤں کے لوگ بھی اس کے ساتھ تھے مگر سردار کے سامنے سب کی زبانیں گنگ ہوگئی تھیں۔

خلیل احمد بہت نیک انسان تھا۔ وہ روزانہ شام کو گاؤں کے چوپال میں بیٹھ کر لوگوں کو داستانیں سنایا کرتا تھا۔ اس کی داستانیں بہت سبق آموز ہوتی تھیں۔ لوگ خوش ہو کر اسے کچھ نہ کچھ دے دیا کرتے تھے۔ سردار نے اسے اپنی بھینسوں کو چارہ دینے کا کام دیا ہوا تھا اور معاوضے میں کچھ معمولی سی رقم ملتی تھی۔ تاہم داستانیں سنا کر وہ اتنا کما لیتا تھا کہ اس کی گزر بسر اچھی ہوجاتی تھی۔ اس افتاد کے بعد اس کے گھر میں فاقوں کی نوبت آسکتی تھی اور یہی بات اسے زیادہ پریشان کر رہی تھی کہ آخر اب اس کے بیوی بچے کیا کریں گے۔ خلیل احمد کی بیوی نے سردار کی بیوی سے رحم کی درخواست کی تو اس کا دل پسیج گیا۔ اس نے سردار سے بات کی، تب سردار نے شرط عاید کر دی کہ اگر خلیل احمد کی بیوی اپنے شوہر کو چھڑانا چاہتی ہے تو سو درہم ادا کرے۔

”سو درہم! مگر میرے پاس تو صرف چار درہم ہیں، میں اتنی رقم کہاں سے لا سکتی ہوں۔“ خلیل احمد کی بیوی رابعہ پریشان ہو کر بولی۔

آنکھوں میں آنسو لیے، مرے مرے قدموں سے وہ گھر واپس آئی۔ اس کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں تھی جسے بیچ کر وہ سو درہم جمع کر سکتی۔ کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا، پھر اچانک ایک خیال سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ ڈیڑھ سال قبل اس کا بھائی فیاض اس کے پاس آیا تھا۔ وہ ساتھ کے گاؤں میں رہتا تھا۔ وہ اپنے ساتھ ایک تھیلی لے کر آیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ وہ اپنی تمام زمینیں وغیرہ بیچ کر اب دوسرے ملک تجارت کے لیے جا رہا تھا، تاہم احتیاطاً وہ اپنی کچھ دولت یہاں چھوڑ کر جانا چاہتا تھا کہ اگر خدانخواستہ اسے تجارت میں نقصان ہوا تو کم از کم وہ کنگال ہونے سے تو بچ جائے گا۔ اس نے وہ تھیلی اپنی بہن کو دی تھی کہ یہ اس کی امانت ہے، جب واپس آئے گا، تو لے لے گا۔ تب رابعہ نے اپنے شوہر کے ساتھ مل کر وہ تھیلی ایک برتن میں بند کر کے اپنے گھر کے اندرونی کمرے کے وسط میں زمین کھود کر دفنا دی تھی۔ اب اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود فیاض کی واپسی نہیں ہوئی تھی اور تھیلی کا خیال ان کے ذہن سے نکل گیا تھا۔

اس اچانک واقعے نے اسے تھیلی کی یاد دلا دی۔ اس کے علاوہ کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا۔

ادھر خلیل احمد قید میں پڑا سوچ رہا تھا کہ آخر یہ معاملہ کیسے حل ہوگا؟ پھر اسے لگا کہ اس کی قسمت ہی خراب ہے کہ اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود وہ کچھ جمع نہ کر سکا۔

”شاید امیر ہونا میری قسمت میں ہے ہی نہیں۔ امیر ہونا تو دور کی بات میں تو غریب سے فقیر ہو چلا ہوں۔“ اس سوچ سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھ کر وہ نماز کی تیاری کرنے لگا۔ نماز پڑھ کر وہ اللہ سے التجائیں کر رہا تھا کہ اسے اس مشکل سے نکال دے، اتنی دیر میں دروازہ کھلا۔ خلیل احمد نے دیکھا کہ سردار کا نوکر لطیف مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا اور بولا: ”مبارک ہو خلیل تم آزاد ہوگئے۔“

”کیا؟ مگر کیسے؟“ خلیل احمد کو یقین نہیں آرہا تھا۔

”سردار نے تمہارے عوض سو درہم مانگے تھے جو تمہاری بیوی نے ادا کر دیے ہیں۔“

”کیا؟ سو درہم؟“ خلیل احمد کو پھر جھٹکا سا لگا۔

باہر آتے ہی اس نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ اس نے اتنی بڑی رقم کا بندوبست کیسے کیا۔ رابعہ نے بھائی کی امانت والی بات بتا دی۔

”اوہ! تم نے امانت میں خیانت کی؟ تمہیں معلوم ہے کہ یہ کتنا بڑا گناہ ہے؟“ خلیل احمد ناراض ہو رہا تھا۔

"مجھے معلوم ہے مگر میں کیا کرتی اور کس سے مانگتی؟ یوں بھی بھائی کے واپس آنے تک ہم اس کی امانت دوبارہ جمع کر لیں گے ان شاء اللہ۔" رابعہ نے اسے اطمینان دلایا۔ خلیل احمد مطمئن نہیں ہوا، اسے ڈر تھا کہ اب وہ کہاں سے کمائے گا، یوں بھی سردار کی نوکری ختم ہو چکی تھی۔

اس کی رہائی سے لوگ بہت خوش تھے اور اس سے داستان سننا چاہتے تھے مگر خلیل احمد کا دل اتنا بے چین تھا کہ جب وہ داستان سنانا چاہتا، اسے کچھ سوجھتا ہی نہ تھا اور وہ رونے لگتا تھا۔

اس کی ایسی حالت دیکھ کر لوگوں نے اس کی بیوی سے معلوم کرایا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ خلیل احمد بہت پریشان ہے۔ تب رابعہ نے امانت والی بات لوگوں کو بتا دی۔

"واقعی خلیل احمد بہت نیک انسان ہے۔ امانت میں خیانت کی وجہ سے وہ بدحواس ہو گیا ہے، پہلے وہ کتنی اچھی داستانیں سناتا تھا، ہمارا وقت بہت اچھا گزرتا تھا، ہمیں اس کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔" یہ وہ گفتگو تھی جو گاؤں کے لوگ آپس میں کر رہے تھے۔

اتفاق سے ان داستان سننے والوں میں سردار کا بیٹا مونس بھی شامل تھا۔ اس کی ہمدردیاں بھی خلیل احمد کے ساتھ تھیں۔ جب اسے اصل بات کا پتا چلا تو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے جمع شدہ مال میں سے خلیل احمد کو سو درہم تحفتاً دے گا۔

اس روز اتفاق سے سردار باڑے میں اپنے دوست یوسف کے ساتھ کھڑا، خلیل احمد کے بارے میں بتا رہا تھا کہ اچانک کہیں سے ایک سانپ نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک بھینس کو ڈس کر تیزی سے پلٹا، یوسف نے بہت کمال ہوشیاری سے ایک بھاری پتھر اٹھا کر سانپ کے پھن پر دے مارا۔ سانپ کا سر کچلا گیا اور وہ وہیں مر گیا۔

"تم نے ناحق اس غریب پر الزام لگایا۔ دیکھو یہ سارا کام تو اس سانپ کا تھا۔" یوسف نے مری ہوئی گائے کو دیکھ کر کہا۔

"اوہ! مجھ سے کتنی بڑی غلطی ہو گئی، اب کیا کروں؟" سردار پریشان ہو کر بولا۔

"کرنا کیا ہے، اس سے معافی مانگو، اس کے سو درہم کے علاوہ اسے اپنے پاس سے بھی رقم دو، کہیں اس مظلوم کی آہ تمھیں نہ لگ جائے۔"

"ہاں تم صحیح کہہ رہے ہو۔" سردار کو لگ رہا تھا کہ یہ بھینس سانپ کے کاٹے سے نہیں بلکہ خلیل احمد کی آہ سے مری ہے۔

خلیل احمد اپنے گھر میں جائے نماز پر بیٹھا دعا کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اس واقعے نے اسے ذہنی طور پر بہت صدمہ پہنچایا تھا۔

"ابو جان، کوئی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔" اس کے بیٹے نے آ کر کہا۔

"کک کون؟" وہ چونکا اور جائے نماز سے کھڑا ہو کر باہر آ گیا۔

"ارے چھوٹے صاحب آپ؟" سردار کے بیٹے کو دیکھ کر وہ حیران پریشان سا ہو گیا۔

"ہاں چچا مجھے آپ سے ایک کام ہے۔" مونس نے باادب لہجے میں کہا۔

"ہاں ہاں بیٹا آؤ۔" وہ مونس کو اندر لے آیا۔

مونس نے اندر آ کر ایک تھیلی اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ "چچا جان یہ میری طرف سے آپ کے لیے تحفہ ہے، آپ خواہ گاؤں کے امیر ترین آدمی بن جائیں، میں یہ آپ سے واپس نہیں لوں گا۔ بس میری درخواست ہے آپ کسی کو بتائیے گا نہیں۔"

خلیل احمد انکار کرتا رہ گیا اور مونس اسے تھیلی دے کر واپس چلا گیا۔ ابھی خلیل احمد سجدۂ شکر ادا کر ہی رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو باہر گاؤں کے چند معزز لوگ کھڑے تھے۔

خلیل احمد انھیں اندر لے آیا اور اس سے پہلے کہ خلیل احمد ان سے کچھ کہتا، ان میں سے ایک شخص نے ایک تھیلی اس کے سامنے رکھ دی اور بولا:

"خلیل تم ہم سب کے دوست ہو، تمہاری اچھی داستانوں کی وجہ سے ہم نے اپنی بہت سی برائیاں دور کی ہیں، اللہ تمھیں اس کا اجر دے، تمہاری حاجت دیکھنے کے بعد ہم نے فیصلہ کیا ہم سب گاؤں والے تمہارے لیے کچھ رقم جمع کریں، تاکہ تم پر جو بوجھ ہے، وہ اتر سکے، تم انکار مت کرنا، ورنہ ہمارا دل ٹوٹ جائے گا، یہ سب کچھ ہم تمھیں تحفتاً دے رہے ہیں اور گاؤں کے سب گھروں نے اس میں حصہ ڈالا ہے اور یہ تقریباً ایک سو بیس درہم ہیں اب یہ تمہارے ہیں۔ تم ان سے جو چاہو کرو، تم سے یہ واپس نہیں لیں گے۔"

خلیل احمد رو پڑا، اسے یہ سب ایک خواب لگ رہا تھا۔ گاؤں کے لوگ اسے حوصلہ دے کر چلے گئے۔

"یہ سب میرے رب کی مہربانی ہے۔" وہ پھر سجدے میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی دروازے پر پھر دستک ہوئی، دونوں تھیلیاں ایک صندوق میں ڈال کر اس نے جو دروازہ کھولا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ باہر گاؤں کا سردار کھڑا تھا۔

"آ... آ... آپ؟" خلیل احمد سمجھا کہ شاید اسے خبر ہو گئی ہے، اس کا بیٹا خلیل احمد کو سو درہم دے گیا ہے۔

"گھبراؤ نہیں خلیل، میں تم سے اپنی غلطی کی معافی مانگنے آیا ہوں۔" سردار نے اندر آ کر کہا اور پھر ایک خوب صورت تھیلی خلیل احمد کے ہاتھ میں تھما کر بولا۔

"مجھے معاف کر دینا۔ میں نے تم پر الزام لگایا۔ یہ تمہارے سو درہم اور ساتھ ہی سو درہم میری طرف سے تمہارا انعام ہے۔" سردار نے عاجزی سے کہا۔

خلیل احمد کی تو آواز ہی بند ہو گئی۔

"وہ... یہ۔" خلیل احمد کچھ نہ کہہ سکا۔ سردار چلا گیا۔

خلیل احمد کی عجیب حالت تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ رابعہ بہت خوش تھی۔

"اب ہم بھائی کے سو درہم واپس کر کے بھی امیر ہی رہیں گے۔" وہ بولی۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے، میں سب سے پہلے غریبوں کو کھانا کھلاؤں گا۔ میرے گاؤں کے جو غریب لوگ ہیں، انھیں اتنی مقدار میں گندم اور چاول دوں گا کہ وہ پورے مہینے کھا سکیں۔" خلیل احمد خلوص سے کہہ رہا تھا۔

صبح جب وہ دونوں زمین کھود کر تھیلی میں واپس درہم ڈالنے کا ارادہ کر رہے تھے تو کسی نے خلیل احمد کو آواز دی:

"یہ کون آ گیا؟ آواز تو بالکل انجان ہے۔" خلیل احمد یہ کہہ کر اٹھا اور باہر آیا تو دیکھا باہر ایک اجنبی کھڑا تھا۔

"السلام علیکم! آپ ہی خلیل احمد ہیں فیاض کے بہنوئی؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں ہاں... مگر آپ کون ہیں اور میرا نام کیسے جانتے ہیں؟" خلیل نے سوال کیا۔

مجھے فیاض نے ہی بھیجا ہے آپ کے نام خط دے کر۔" اس شخص نے یہ کہا تو خلیل احمد اسے زبردستی اندر لے آیا اور اس کی خاطر تواضع کی۔ جانے سے قبل ایک خط اس نے خلیل احمد کو دیا اور اپنی منزل کو روانہ ہو گیا۔

خلیل احمد نے رابعہ کو سب بتا کر وہ خط کھولا تو دعا سلام کے بعد لکھا تھا:

"آپ لوگوں کو یہ جان کر خوشی ہو گی کہ میں یہاں بہت خوش ہوں اور میں نے شادی بھی کر لی ہے۔ آپ کی دعاؤں سے میرا کاروبار بہت بڑھ گیا ہے۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں نے اپنی امانت آپ کے پاس رکھوائی تھی، وہ آپ کو تحفے میں دے دوں تاکہ آپ کے حالات بھی سنور جائیں۔" پورا خط پڑھتے پڑھتے خلیل احمد کے ہاتھ کانپنے لگے۔

قدرت اس پر مہربان تھی۔ وہ جو چند دن پہلے مایوسی محسوس کر رہا تھا کہ شاید وہ کبھی امیر نہ ہو سکے گا، آج اپنی قسمت پر حیران تھا اور رابعہ خوشی سے تمتماتے چہرے کے ساتھ سوچ رہی تھی کہ یہ سب خلیل کی نیک نیتی کا پھل ہے۔

کچھ تو / شرھ

میرا اسکول میں چوتھا دن تھا۔ ایک نیا طالب علم کلاس میں داخل ہوا اور میرے ساتھ آکر بیٹھ گیا۔ میں بھی چونکہ نیا کلاس میں داخل ہوا تھا، اس لیے ابھی تک میری کسی کے ساتھ بھی جان پہچان نہیں ہوئی تھی۔ کلاس ٹائم میں تو گویا میں گونگا ہوتا۔ کسی سے بات چیت نہ گپ شپ۔ بس ہر وقت خاموش رہتا۔ جب یہ نیا طالب علم کلاس میں آیا اور میرے ساتھ آکر بیٹھ گیا تو میرے دل کو کچھ اطمینان ہوا۔ میں نے سوچا کہ یہ بھی نیا ہے اور میں بھی۔ اس لیے ہم جلدی گھل مل جائیں گے۔ سو میں نے کہا:

''السلام علیکم! بھائی جان! کیا حال ہیں؟''

''وعلیکم السلام! خیریت سے ہوں۔ آپ ٹھیک ہیں؟'' وہ بھی اسی انتظار میں تھا کہ کوئی اس سے بات کرے، اس لیے اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ آج تشریف لائے ہیں۔ میں تین دن پہلے یہاں آیا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''گویا ہم دونوں نئے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''جی جی! بہت عجیب اتفاق ہے۔'' ہم دونوں کھل کھلا دیے۔

اس کے بعد سے ہماری خوب پہچان ہوگئی۔ اس کا نام سعد اللہ تھا اور وہ ہمارے محلے سے پیچھے والے محلے میں رہتا تھا، ایک کھاتے پیتے گھرانے کا فرد تھا۔ اس لیے اسے کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں تھی۔ آہستہ آہستہ ہماری یہ ''جان پہچان'' دوستی کی صورت اختیار کرگئی اور ایک دوسرے کے گھر آنا جانا بھی ہوگیا۔ وہ مجھے اپنے حالات سناتا، میں اپنی باتیں۔ ایک دن جب ہم سکول کے میدان میں بیٹھے تھے، میں نے سعد اللہ سے پوچھا:

''تمہاری کوئی تفریحی سرگرمی ہے؟''

''ہاں! تفریح کے لیے کمپیوٹر پہ کوئی گیم کھیل لی یا کارٹون دیکھ لیتا ہوں۔'' اس نے بے فکری کے عالم میں کہا۔

''مگر... یہ... یہ...'' میں کہتے کہتے رُک گیا۔

''کیا... یہ... یہ کیا۔'' اس نے میرے چہرے پر نظریں گاڑھ کر کہا۔

''یہ تو اچھا نہیں۔'' میں نے کہا۔

محمد عثمان حبیب۔ کہروڑپکا

''کیوں؟'' اس نے پوچھا۔

''اس لیے کہ... کمپیوٹر میں اکثر انگریزی کارٹون کہانیاں ہوتی ہیں... جن کا مرکزی خیال اسلامی ہونے کی بجائے مغربی ہوتا ہے... اگر انگریزی کہانیاں نہ بھی ہوں... تب بھی نقصان دہ ہیں... کیونکہ ان کو بتانے والے اکثر دین دشمن قسم کے آدمی ہوتے ہیں... اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے... ان کارٹون کہانیوں کا مقصد مسلمانوں کو اسلامی ذہن سے آزاد کرنا اور مغربی ذہن سازی کرنا ہے... اگر کچھ بھی نہ ہو... تو کم از کم یہ صحت کے لیے سخت نقصان دہ ہیں... اول یہ کہ بینائی پر اثر پڑتا ہے... دوم یہ کہ... بیٹھنے کی وجہ سے جسم میں کئی امراض جنم لیتے ہیں... تفریح کے لیے جسمانی ورزش بہت بہتر ہے۔'' میں نے وضاحت کی۔

''دوست! تم کسی کے بہکاوے میں آگئے ہو... ان تفریحی کہانیوں سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تمہارا خیال درست نہیں۔ تمہاری قدرتی صلاحیتیں ختم ہو جائیں گی اور تمہیں احساس تک نہیں ہوگا۔'' میں نے افسردہ ہو کر کہا۔

بات آئی گئی ہوگئی۔ اس گفتگو کے تقریباً چار ماہ بعد ایک دن جب میں سکول میں داخل ہوا تو میری نظر سعد اللہ کی ہنڈا موٹر سائیکل پر پڑی۔ وہ سائیکل اسٹینڈ میں کھڑی تھی۔ سائیکل کی پچھلی طرف لکھا ہوا تھا ''سعد گوکا'' میں الجھن میں مبتلا ہوگیا کہ اس ''گوکا'' کا کیا مطلب ہے؟ میں نے سوچا کہ شاید ان کی قوم کا نام ''گوکا'' ہے۔ یہ بات مجھے اس وقت تک اس لیے معلوم نہیں تھی، کیونکہ میں نے کبھی قوم کے متعلق سوال نہیں کیا تھا۔

جب ہم درمیانی وقفے میں پلاٹ میں بیٹھے تو میں نے پوچھ ہی لیا:

''سعد اللہ! ''گوکا'' کا کیا مطلب ہے؟ صبح میں نے آپ کی سائیکل پر لکھا ہوا دیکھا تھا۔''

''ہاہاہا! ایک کارٹون کا نام ہے جس کا کردار سب سے ممتاز ہوتا ہے۔'' اس نے قہقہہ مار کر کہا۔

''کیا!!!'' میں دھک سے رہ گیا اور دکھ سے میرا چہرہ مرجھا گیا۔

''میں نے کہا تھا نا! ان کارٹون کہانیوں کا اپنا اثر ہوتا ہے... یعنی تم نے اپنا آئیڈیل ایک انگریزی کارٹون کو بنایا ہے... اسلامی شخصیات میں سے آپ کو کوئی شخصیت پسند نہیں آئی... جس کا کردار سب سے ممتاز تھا۔''

''کیا!!!'' اسے ایک جھٹکا سا لگا اور وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا جس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے احساس ہوگیا ہے کہ اس نے کیا کیا ہے۔ اس کا سر جھک گیا جیسے وہ کہہ رہا ہو۔

''مجھے معاف کردو، دوست! اس روز میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکا تھا۔ واقعی مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی۔ میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کردو۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''سعد! معافی اللہ سے۔'' میں نے کہا۔

''میں فارغ اوقات میں کوئی رسالہ پڑھ لیا کروں گا۔'' اس کی آواز بھرا گئی اور دو موٹے موٹے آنسو اس کے رخساروں سے گزر کر اس کے دامن پر گر گئے۔

آئیڈیل سلمنگ کورس آئیڈیل سلمنگ کورس آئیڈیل سلمنگ کورس

ہومیو اور دیسی جڑی بوٹیوں کے حیرت انگیز نسخہ جات

حیرت انگیز نسخہ جات سے موٹاپے سے مکمل نجات پایئے

ایک ماہ میں 30 پاؤنڈ وزن کم کریں اور 6 انچ کمر کم کریں

سلمنگ کورس کے استعمال سے جسم کے اندر پیدا ہونے والی بیماریاں جو موٹاپے کا سبب بنتی ہیں ان کا مکمل خاتمہ کر کے جسم کو سمارٹ، پرکشش اور خوبصورت بناتا ہے اور دوبارہ موٹاپا ہونے سے مکمل روکتا ہے

آئیڈیل سلمنگ کورس

فری ہوم ڈیلیوری

گارنٹی شدہ علاج

پاکستان ہومیو اینڈ ہربل کلینک چوبرجی ٹاور پلازہ چوک چوبرجی لاہور

+92-42-37470123
+92-42-37470128
+92-0300-4370496

email: pkhhc@hotmail.com web: www.pkhhc.com

آئیڈیل سلمنگ کورس آئیڈیل سلمنگ کورس آئیڈیل سلمنگ کورس

اپنا کام

محمد فیصل حمید - کراچی

سر بہت بھاری ہو رہا تھا۔ بدن میں خون کی روانی غیر معمولی محسوس ہو رہی تھی، پاؤں ایسے بوجھل تھے جیسے بدن کا سارا خون اُن میں اُتر آیا ہو، میں خالی ذہن، جیسے اپنے آپ سے روٹھا ہوا، تھکا تھکا، ان کیفیات کا شکار، اُس لمبی سڑک کے کنارے چل رہا تھا جہاں پر قطار اندر قطار ہزاروں گملے رکھے تھے۔ اُن میں کچھ بہت بڑے، کچھ بہت چھوٹے اور کچھ درمیانے تھے، لیکن اُن سب کے نچلے حصوں پر سرخ اور اوپر کناروں پر سفید رنگ کر کے سب کو ایک جیسی وردی پہنا دی گئی تھی، اُن ہزاروں گملوں میں سیکڑوں قسم کے خوب صورت پھولوں والے پودے یوں لہلہا رہے تھے، جیسے ایک صف میں بیٹھے اللہ رب العزت کی پاکی بیان کر رہے ہوں۔

O

میں حسبِ معمول اپنے کلینک میں بیٹھا مریضوں کو دیکھ رہا تھا، تمام مریض ہاتھوں میں ٹوکن پکڑے، راہداری میں لگی کرسیوں پر بیٹھے اپنی اپنی باری کے منتظر تھے اور مریضوں کی قطار آہستہ آہستہ میری طرف سرک رہی تھی، مریضوں کے ہجوم میں موجود ایک خاتون اپنی باری پر میرے سامنے آبیٹھی، اُس کی گود میں پھول جیسا خوب صورت، معصوم مگر بیمار بچہ تھا، اور بیماری سے یہ پھول گویا مرجھا سا گیا تھا، جس کی وجہ سے اُس کی ماں کے چہرے سے مامتا پریشانی کی صورت میں بہہ رہی تھی، میں نے اُس کا معائنہ کر کے اُس کے لیے دوا لکھ دی، لیکن اس کے بعد میں وہاں بیٹھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

O

میری شادی کو پندرہ سال ہو چکے تھے، لیکن اولاد کی نعمت سے ابھی تک محروم تھا، ابا جان دس سال تک پوتے پوتیوں کے خواب دیکھتے رہے اور بالآخر ان خوابوں کی تعبیر دیکھے بغیر ہی اس دنیا سے چلے گئے، اُن کے بعد اماں نے بھی دیر نہ لگائی اور ساری تمناؤں کو سینے میں لیے ہوئے ابا میاں کے پیچھے پیچھے چل دیں، میری بیوی احساسِ محرومی کا شکار ابھی تک اولاد کی راہ تک رہی تھی، میری حالت بھی اس سے مختلف تھی، لیکن مشاغل اور مصروفیات کے ہجوم کی بنا پر میرا یہ احساسِ محرومی اُس جیسا نہ تھا۔

آج اُس خاتون کی گود میں موجود بچے کے چہرے میں نہ معلوم وہ کیا بات تھی کہ میرا سویا ہوا احساسِ محرومی جاگ گیا اور کچھ اس طرح جاگا کہ میرے وجود میں زلزلہ سا آ گیا، آنکھوں کے آگے دھواں سا چھانے لگا، کلینک میں بیٹھے مریضوں کے ہجوم کو تو جیسے بھول ہی گیا، پریشان سا، ناامید سا، اپنے آپ سے خفا، روٹھا روٹھا باہر نکل کر سڑک پر بوجھل قدموں کے ساتھ چلنے لگا جہاں خوب صورت پھولوں والے پودے ایک صف میں بیٹھے اللہ رب العزت کی پاکی بیان کر رہے تھے، میں کچھ دیر یونہی چلتے رہنے کے بعد اچانک ایک پودے کے پاس رک گیا، اُس پودے پر کوئی پھول نہیں لگا تھا، جب کہ اُس کے آس پاس سب پودوں پر نوخیز کلیاں مسکرا رہی تھیں۔

"جی صاحب جی! یہ پودا نکال دوں آپ کے لیے؟" مجھے اُس پودے کے پاس بیٹھا دیکھ کر مالی نے قریب آ کر پوچھا تھا۔

"نہیں، میں تو ویسے ہی دیکھ رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔"

"اس پودے پر پھول کیوں نہیں لگے؟" وہ جانے کے لیے ابھی مڑا ہی تھا کہ میرے سوال نے اُسے روک لیا، اُس نے پہلے تو مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھا، پھر کہنے لگا:

"صاحب جی! اپنا کام تو پانی لگانا ہے، پھول لگانا تو اللہ سوہنے کا کام ہے، اُس کی مرضی وہ جس پودے پر چاہے لگائے، جب مرضی لگائے، اُس پر کسی کا زور نہیں چلتا۔" پھر پنجابی کا ایک شعر سنایا:

"مالی دا کم پانی لانا، بھر بھر مشکاں لا دے
مالک دا کم پھل پھل لانا، لا دے یا نہ لا دے۔"

(مالی کا کام پانی لگانا ہے کہ وہ مشکیں بھر بھر کے پانی لگاتا رہے، اس پر پھل اور پھول لگانا اللہ رب العزت کا کام ہے، اس کی مرضی وہ لگائے یا نہ لگائے)

"ویسے صاحب جی! میرا دل کہتا ہے کہ اس پر پھول ضرور لگیں گے۔"

وہ تو اتنا کہہ کر چلا گیا اور میرے کانوں میں اماں کے کہے ہوئے الفاظ گونجنے لگے:

"بیٹا! دل چھوٹا نہ کیا کر، اللہ پر کسی کا زور نہیں چلتا، ہمارا کام تو دعا کرنا، اور صرف ایک اللہ کے آگے ہاتھ پھیلانا ہے، باقی اُس کی مرضی وہ جس کو چاہے جب چاہے اولاد دے، اُسے کون پوچھ سکتا ہے؟ ویسے بیٹا میرا دل کہتا ہے کہ اللہ رب العزت تیری دعا ضرور قبول کرے گا، تجھے اولاد کی نعمت ضرور عطا کرے گا۔" اس کے ساتھ ہی میرے قدم قریبی مسجد کی طرف اٹھنے لگے جہاں سے مغرب کی اذان کی آواز گونج رہی تھی۔

سیرت کو اپنائیں۔۔ سیرت کو پھیلائیں

ایم آئی ایس فاؤنڈیشن کی دو منفرد کتابیں

MIS™

کل قیمت ~~1060~~ روپے

رعایتی قیمت 650 روپے

سیرت کورنز

سیرت النبی ﷺ قدم بہ قدم (دو جلدیں)

ملنے کے پتے:

1-	ملتان	0300-7301239
2-	راولپنڈی	0321-5123698
3-	پشاور	0314-9696344, 091-2580331
4-	بہاولپور	0333-6367755,0622731947
5-	اٹک	0302-5475447
6-	لاہور	0321-4538727
7-	فیصل آباد	0321-7693142
8-	ساہیوال	0321-6950003
9-	کوئٹہ	0321-8045069
10-	رحیم یار خان	0321-2647131
11-	ہری پور	0301-8145854
12-	سرگودھا	0321-6018171
13-	سکھر	0321-5628333
14-	کراچی	0302-2228462

(رعایتی قیمت پر حاصل کریں)

www.mis4kids.com

523 C Adamjee Nagar, Old Dhoraji, Karachi, Pakistan
Ph: +92-21-34931044 , 34944448 , Cell: +92-321-2220104

دولت کی خاطر

ساجدہ بتول

"خدا کے لیے مجھ پر رحم کھاؤ۔ میں ایک بیوہ عورت ہوں۔ اس بیگ میں میری اکلوتی بیٹی کے جہیز کے زیورات ہیں۔ وہ شہر اپنے ماموں کے ہاں گئی ہوئی ہے۔ خدا کے لیے بیگ۔"

"خاموش۔"

جیرا ڈاکو اس کی بات کاٹتے ہوئے دھاڑا۔

"سنو! یہ حلال کمائی کے زیورات ہیں۔ تم ان کو ہضم کرنا بھی چاہو تو نہیں کر سکو گے۔"

رشیداں مائی اب اچانک جلالی آواز میں بولی:

"اپنا فلسفہ اپنے پاس رکھ بڑھیا۔" کامی نے کہا۔

اتنے تک شیدا اور شانی بھی سارا گھر چھان کر واپس اُسی کمرے میں آ گئے۔ دونوں خالی ہاتھ تھے۔

"استاد اور کچھ بھی نہیں ملا۔"

"چلو بیگ سہی۔" جیرے نے کہا۔

رشیداں مائی کے دونوں ہاتھ پچھلی طرف بندھے تھے اور خود اس کو بھی کرسی سے باندھ دیا گیا تھا۔ اُن چاروں نے الوداعی نظر اس پہ ڈالی اور بیگ لے کر چلتے بنے۔

رشیداں مائی کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ اُس کی عمر بھر کی کمائی چند منٹوں میں ہی لٹ چکی تھی۔ وہ مسلسل اللہ سے فریاد کر رہی تھی "مالک! ان کو سزا دے۔ ان پہ اپنا قہر نازل کر، غرق کر کے رکھ دے انھیں یا اللہ! میری تو حلال کی پونجی تھی نا! کیسے لٹ سکتی ہے۔" الفاظ اس کے گلے میں اٹک گئے۔ آنسوؤں کا گولہ اس کے حلق میں پھنس گیا اور وہ زور زور سے سسکیاں لینے لگی۔ جانے کتنی ہی دیر گزر گئی۔ اس کا جسم سن ہو گیا۔ صبح کا سویرا ہونے لگا۔ اچانک ایک اعلان نے اُسے حواس باختہ کر دیا۔ "حضرات! پانی کا سیلابی ریلہ علاقے میں داخل ہو چکا ہے۔ تمام لوگوں سے گزارش ہے کہ فوراً اپنا قیمتی سامان اٹھا کر یہاں سے نکل چلیں، ورنہ ڈوب جانے کا پکا امکان ہے۔"

الفاظ نہیں تھے، قیامت تھی۔ جو اس کے سر پر گر گئی تھی۔ وہ تو اپنی جگہ سے حرکت تک کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ جان بچا کے بھاگتی تو کیسے! کیا بیگ، کون سے ڈاکو اور کیسے زیورات! وہ سب بھول چکی تھی۔ اب تو اسے فقط جان کے لالے پڑے تھے۔ "الٰہی مدد۔" اس کے منہ سے نکلا۔

اچانک اُسے شور سنائی دینے لگا۔ بہت سی چیزوں کی کھڑکھڑاہٹ، درختوں کے گرنے کی آواز، پانی کا شور، آخر دروازے کے کھلے پٹ سے پانی کی ایک تہہ کمرے میں آ گئی اور اس کے پیروں کے نیچے بچھ گئی۔ پانی کا یہ ریلا اب اوپر سے اوپر ہو رہا تھا، کچی دیواریں کڑکڑانے لگی تھیں۔ خوف کے مارے رشیداں مائی کا سانس سوکھ گیا تھا۔ موت اسے سامنے نظر آ رہی تھی۔ وہ زور زور سے کلمہ طیبہ پڑھنے لگی۔

○

آج اُن چاروں کا راستے میں ہی آرام کا ارادہ تھا۔ کافی آگے جا کر اُن کے دوست شیراز کا گاؤں آ گیا۔ رات دو بجے انھیں اپنی دہلیز پہ دیکھ کر وہ چونکا۔

"خیریت تو ہے نا نذیر بھائی!"

"ناں! ناں۔" جیرا بولا۔ "نذیر بھائی میں دن کو ہوتا ہوں۔ رات کو صرف اور صرف جیرا ڈاکو۔"

"تو آج پھر کوئی واردات کر کے آ رہے ہو۔" شیراز نے بھنویں اُچکائیں۔

"تو اور کیا! تم سے کتنی ہی دفعہ کہا ہے، زمینداری چھوڑ دو اور ہمارا ساتھ دو۔ مگر تم ہو کہ اسی غربت پہ خوش ہو۔"

"حلال میں برکت ہے۔" شیراز نے کہا۔

"بس بس، اپنا فلسفہ اپنے پاس رکھ اور ہم تھکے ہوئے ہیں۔ بستر اور چائے پانی کا انتظام کر۔" جیرے نے ہاتھ اٹھا کر بے تکلفی سے کہا۔

"بہت بہتر۔" شیراز خوش دلی سے بولا اور اُن کی میزبانی میں لگ گیا۔

اُن چاروں نے بیگ اُسی کمرے میں رکھ دیا تھا جہاں اُن کے لیے بستر لگائے گئے تھے۔ گھر میں جو تھوڑا بہت بچا کھچا کھانا موجود تھا، شیراز فوراً گرم کر کے لے آیا۔ وہ یہاں اکیلا رہتا تھا۔ زمینوں کی دیکھ بھال کے لیے اس نے یہ چھوٹا سا گھر گاؤں میں بنا رکھا تھا۔ بیوی بچے شہر میں ہوتے تھے۔

جیرے نے اس سے پہلے بھی کئی دفعہ اُسے اپنے ساتھ وارداتیں کرنے کی دعوت دی تھی، مگر ہر دفعہ وہ ٹال جاتا۔ اُسے اس کام سے نفرت تھی مگر آج اس کا ذہن اچانک کچھ اور سوچنے لگا تھا۔ دولت کے لالچ کا ناسور آخر اس کے ذہن میں گھس ہی گیا تھا۔

دوسرے کمرے میں گندم کی بوریاں رکھی تھیں۔ اس نے جھٹ پٹ کی وہ بوریاں کھولیں اور گندم والی وہ گولیاں نکال لیں جو اس نے آج ہی ڈالی تھیں۔ گولیاں لے کر وہ چپکے سے ذرا فاصلے پہ بنے چھپر میں آ گیا جہاں لکڑیوں کے چولہے پہ دودھ کا دیگچہ دھرا تھا۔ وہ گولیاں اس نے دیگچے میں ڈال دیں۔ اس بات سے بے خبر کہ کھڑکی میں سے کوئی، اس کی اس حرکت کو نوٹ کر چکا تھا۔

"لو دوستو گرما گرم دودھ۔" وہ ٹرے میں رکھے دودھ کے چار گلاس لیے اندر داخل ہوا۔

"بھئی تم بھی تو پیو ناں!" جیرے نے آنکھ دبائی۔

"مجھے اس وقت بھوک نہیں۔" وہ خوب صورتی سے ٹال گیا۔

جیرا ایک چالاک آدمی تھا۔ اس نے اس کی حرکت نوٹ تو کر لی تھی مگر اپنے ساتھیوں کو اس کی ہوا تک نہ لگنے دی تھی۔ اس نے انھیں دودھ نوش کرنے دیا جب کہ خود دودھ کے گلاس کو ہاتھ تک نہ لگایا۔

"تم بھی جلدی پیو ناں! ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" شیراز نے اس سے کہا۔ اُسے بے چینی ہو رہی تھی۔

"تم بے فکر رہو، میں تھوڑی دیر تک پی لوں گا۔ مجھ سے گرم دودھ نہیں پیا جاتا۔"

جیرے نے دوبارہ آنکھ دبائی۔ وہ اس کی آنکھ کے مفہوم سمجھے بغیر باہر نکل گیا۔ وہ نیند کا بہانہ کر کے دوسرے کمرے میں چلا آیا تھا، لیکن آج بھلا اس کی آنکھوں میں نیند کہاں! تاہم فی الحال وہ جان بوجھ کر سوتا بن گیا۔

اِدھر ان تینوں کے منہ سے ایک دم جھاگ نکلنے لگا تھا اور تینوں کو ایک ساتھ کھانسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ وہ تینوں کھانستے کھانستے بے حال ہو گئے اور پھر گرتے چلے گئے۔ جیرا اطمینان سے چپ چاپ یہ سب دیکھتا

رہا۔ اُن تینوں کو تکلیف کے ساتھ ساتھ اُس کے اطمینان پہ حیرت بھی ضرور ہو رہی تھی، لیکن اس وقت بری طرح بے بس تھے۔ وہ بے چارگی سے اُسے دیکھتے دیکھتے آنکھیں بند کرتے چلے گئے۔

شیراز کا خیال تھا، جیرا بھی دودھ پی چکا ہوگا۔ اُسے اُن سب کے کھانسنے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں مگر کمال عقل مندی سے وہ ''سویا'' رہا۔ ادھر جونہی وہ تینوں ٹھنڈے پڑے، جیرے نے اپنا سائلنسر لگا پسٹل نکال لیا۔ قدموں کی چاپ سن کر شیراز چونکا اور اٹھ بیٹھا۔ اپنے سامنے جیرے کو دیکھ کر وہ پریشان ہوگیا۔ اس کا تو خیال تھا، مر کھپ چکا ہوگا۔ اچانک اُسے اپنے سامنے دیکھ کر اس پہ خوف چھا چکا تھا۔ اس کی چھٹی حس کچھ کہہ رہی تھی۔

''ہوں! تم دوسروں کے ساتھ مجھے بھی مارنا چاہتے تھے؟ یہ لو۔'' جیرے نے کہتے کہتے اُسے نشانے پہ لے لیا۔

''نن انہیں۔'' یہ آخری لفظ تھا جو شیراز کے منہ سے نکلا تھا۔ ایک سلگتا انگارہ تھا جو اس کے سینے میں پیوست ہوگیا۔ خون کا ایک فوارہ چھوٹا اور وہ گرتا چلا گیا۔

جیرے نے اطمینان سے بیگ اٹھایا اور وہاں سے نکل آیا۔ چلتے چلتے صبح ہوگئی۔ وہ اب ایک قصبے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اچانک ایک اعلان نے اس کے پیر جکڑ لیے۔ ''حضرت! پانی کا سیلابی ریلا علاقے میں داخل ہو چکا ہے۔ تمام لوگوں سے گزارش ہے کہ فوری طور پر اپنا قیمتی سامان لے کر یہاں سے نکل چلیں، ورنہ ڈوب جانے کا امکان ہے۔''

وہ چند لمحات کے لیے تو سن ہوگیا، لیکن جیسے ہی ہوش میں آیا، اس نے اپنے ''قیمتی سامان'' پہ اپنے ہاتھوں کی گرفت مضبوط کی اور دوڑ لگا دی۔ اگرچہ اس وقت اُسے سب سے زیادہ قیمتی سامان، اپنا وجود لگ رہا تھا۔ وہ دوڑتا رہا، لیکن قدرت کی لاٹھی اس سے بھی زیادہ تیز دوڑ رہی تھی۔ پانی کا ریلا اس کے شاطر ذہن سے کئی گنا زیادہ تیز تھا۔ آخر پانی کا دھارا اس کے قدموں کے نیچے بچھ گیا۔ وہ مسلسل بھاگ رہا تھا۔ دھارا اوپر ہی اوپر ہوتا چلا جا رہا تھا اور آخر بیگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ پانی جونہی اُس کے کندھے تک پہنچا، اس کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ ہچکولے کھانے لگا۔ ایک تیز لہر آئی اور وہ اُلٹا ہوگیا، سانس لینا مشکل ہوگیا تھا۔ وہ ہوا کھینچنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا جب ایک سانپ نے اپنے زہر کی سوئی اس کے پاؤں میں چبھو دی۔ ایک منٹ مزید گزرا اور پھر! موت کی قینچی نے اس کی زندگی کی ڈور ایک جھٹکے سے کاٹ ڈالی۔

O

اچانک چھت پہ لگا لکڑی کا ایک تختہ پانی پہ گرا تھا۔ ادھر اس کرسی کے پائے زمین سے اُکھڑ رہے تھے جس پہ وہ بندھی تھی۔ ایک تیز لہر سے ایک دم کرسی اُچھلی تھی اور وہ ڈور ٹوٹ گئی تھی جس سے اُسے باندھا گیا تھا۔ پانی کے زور سے وہ ڈور رفتہ رفتہ خود بخود کھل رہی تھی۔ ادھر وہ کرسی سمیت اچھل کر اس تختے پہ جا گری تھی۔ جواب پانی پہ تیر رہا تھا۔ اس نے کافی تگ و دو سے اپنے آپ کو ڈور سے آزاد کیا اور تختے کو مضبوطی سے پکڑ لیا جواب تیرتے تیرتے کھلے دروازے سے باہر نکل چکا تھا۔

O

''سر! یہ کارڈ اُسی میں سے ملا ہے۔'' کانسٹیبل نعیم نے ایک کارڈ لا کر انسپکٹر صدیق کے ہاتھ میں تھمایا۔

''خوب۔'' اُن کے چہرے پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ''وہ بڑھیا کہاں ہے جسے ہیلی کاپٹر کے ذریعے آرمی کے جوان بچا کے لائے ہیں؟''

''کون سی بڑھیا؟ وہی جو ایک تختے پہ تھی جو تیر رہا تھا؟'' نعیم نے پوچھا۔

''ہاں ہاں! وہی۔''

''سر! وہ ابھی یہیں ہے۔ کمرے کے باہر بیٹھی ہے۔''

جلد ہی ایک بڑھیا کمرے میں داخل ہوئی۔

''اماں! تم نے یہاں آتے ہی، اس پہ پہلی نظر پڑنے کے بعد یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ تمہارا ہے۔ کیا تم اسے اچھی طرح پہچان چکی ہو؟''

''ہاں بیٹا! اپنی چیز کی پہچان کسے نہیں ہوتی!'' بڑھیا کی آواز بھر اگئی۔

''نعیم! ذرا اسٹامپ پیڈ اور سادہ کاغذ لاؤ۔'' وہ بولے۔

''جی بہتر۔''

''اماں! ذرا اس پیڈ پہ دایاں انگوٹھا رکھ کر اپنے انگوٹھے کا نشان تو اس کاغذ پہ لگاؤ۔''

''مگر کیوں بیٹا؟'' بڑھیا چونکی۔

''بس اماں تمہیں یہ کرنا ہوگا۔''

بڑھیا کے انگوٹھے کا نشان انھوں نے اس شناختی کارڈ پہ لگائے گئے نشان سے ملایا تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ دونوں انگوٹھوں میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں تھا۔

''زیورات کا وہ بیگ رشیداں مائی کے حوالے کر دیا جائے جس میں سے یہ کارڈ برآمد ہوا ہے۔ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ کارڈ انھی کا ہے۔ لہٰذا یہ بیگ بھی انھی کا ہے۔'' انسپکٹر صدیق نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

نعیم نے جلد ہی ایک بیگ لا کر اماں یعنی رشیداں مائی کے ہاتھ میں تھما دیا جو اسے پانی میں تیرتا ہوا ملا تھا۔ رشیداں مائی نے اسے کھول کر چیک کیا۔ تمام زیورات جوں کے توں موجود تھے۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور قدرت مسکرا رہی تھی۔

بابرکت مال

عبداللہ عثمانی

ایک دن میں یمامہ کے صحرائے خلیج میں موجود تھا کہ ایک شخص خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی موت کی اطلاع دینے لگا۔

میں نے اس سے پوچھا۔ اب کون خلیفہ بنا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے ہیں۔ میں نے اس کا جواب سنا اور شام کی طرف روانہ ہوگیا۔ جب میں دمشق پہنچا تو شاعر جریر سے ملاقات ہوئی، جو خلیفہ کے ہاں سے واپس آ رہا تھا۔ میں نے سلام کیا اور پوچھا۔ اے ابو حذرہ! کہاں سے آ رہے ہو۔ اس نے جواب دیا۔ ایسے خلیفہ کے پاس سے آ رہا ہوں جو فقراء کو دیتا ہے اور شاعروں کو محروم کرتا ہے۔ تم بھی واپس چلے جاؤ۔ اسی میں بہتری ہے۔

میں نے کہا، میرا معاملہ اور ہے۔ اس نے کہا، جیسے تمہاری مرضی۔

پھر میں آگے بڑھا، حتیٰ کہ خلیفہ کے گھر پہنچ گیا۔ خلیفہ اپنے گھر کے صحن میں غریبوں مسکینوں اور مظلوموں کے بیچ گھرے ہوئے تھے۔ جب مجھے کوئی صورت نظر نہ آئی تو اونچی آواز سے کہا:

''اے خیرات، سخاوت، اخلاق کریمانہ اور بڑے دل والے، میں وادیٔ قطن بنو دارم کا باشندہ ہوں۔ اپنے معزز بھائی سے اپنے قرض کا طلب گار ہوں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے غلام ابو یحییٰ نے مجھے غور سے دیکھا اور کہا، اے امیر المومنین! اس بدوی کے لیے میرے پاس گواہی ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا، میں اسے جانتا ہوں۔ پھر میری جانب متوجہ ہو کر کہنے لگے:

''اے دکین! میرے قریب ہو جاؤ۔ جب میں ان کے سامنے ہوگیا تو میری طرف جھک کر فرمانے لگے، کیا تمہیں یاد ہے کہ میں نے مدینہ منورہ میں تم سے کہا تھا کہ میرا نفس مزید بلند مقام کا خواہش مند ہے۔ میں نے کہا، جی ہاں یاد ہے۔ فرمایا: ''مجھے دنیا کی اعلیٰ چیز بادشاہت مل گئی ہے، لیکن اب میرا نفس آخرت کی بلندیوں کا خواہش مند ہے اور وہ جنت ہے اور میری ذاتی ملکیت صرف ایک ہزار درہم ہیں۔ آدھے تم لے لو اور آدھے میرے لیے چھوڑ دو۔''

دکین شاعر کہتا ہے کہ میں نے وہ مال لے لیا۔ بخدا میں نے اس جیسا بابرکت مال کبھی نہیں دیکھا۔

ناقابل اشاعت

چھوٹی سی غلطی ڈیرہ دین پناہ۔ یہ راہ مشکل سرگودھا۔ انوکھا تحفہ؟۔ بے جالا ڈہارون آباد۔ عزم کراچی۔ بچوں کا اسلام لاہور۔ آسان حل کراچی۔ والدہ کہروڑپکا۔ سائنس فکشن بھکر۔ بھیانک سائے ملتان۔ خوب صورت ٹنڈو محمد خان۔ بڑا چھوٹا کراچی۔ مسلمان کہاں ہیں لاہور۔ خاص کہانی ملتان۔ کھوئی ہوئی دولت حاجی پیر والا۔ جنت گوجرانوالہ۔ کاش خان پور۔ تقدیر کا لکھا خان پور۔ کچھ کرنے کا عزم خان پور۔ وقت پر ملتان۔ وہ ایک سرفروش ملتان۔ شہری بابو اور جلالی بابا لاہور کینٹ۔ ہفتہ شجر کاری بیلاں۔ حلوہ بن گیا جلوہ نواب شاہ۔ کالے پیلے رجسٹر نواب شاہ۔ دستک لاہور۔ رستا ہوا ناسور ملتان۔ سیدھا راستہ ملتان۔ قصوروار کون لاہور۔ یقین لاہور۔ سالگرہ علی پور۔

مسکراہٹ کے پھول

☆ ایک بچے کو ماں باپ پر مضمون لکھنے کے لیے کہا گیا۔ اس نے یہ مضمون لکھا:

''ہمارے ماں باپ ہمیں اس وقت ملتے ہیں جب وہ کافی بڑے ہو چکے ہوتے ہیں، لیکن جب ہم بڑے ہوتے ہیں تو وہ بوڑھے ہو چکے ہوتے ہیں۔

(خنسا منور دین۔ فیصل آباد)

☆ ایک سکول کے ہیڈ ماسٹر ایک کلاس روم کے پاس سے گزرے تو استاد بچوں کو پڑھا رہے تھے۔

''دریائے سندھ خلیج بنگال میں گرتا ہے۔''

یہ سنتے ہی ہیڈ ماسٹر صاحب کلاس روم میں آ گئے اور بولے:

''ماسٹر صاحب! آپ بالکل غلط پڑھا رہے ہیں، دریائے سندھ خلیج بنگال میں نہیں، بحیرہ عرب میں گرتا ہے۔''

یہ سن کر استاد نے کہا:

''جناب عالی! دریائے سندھ اس وقت تک خلیج بنگال میں گرتا رہے گا جب تک آپ میری چھ ماہ کی تنخواہیں نہیں دیں گے۔'' (اقراء انجم۔ لاہور)

☆ ماں: بیٹا! کیا تمہیں سکول جانا پسند ہے۔

بیٹا: امی جان! آپ مجھے جھوٹ بولنے پر مجبور کر رہی ہیں۔ (اسما منیر۔ لاہور)

☆ استاد: بتاؤ! تمہیں سب سے زیادہ خوشی کب ہوتی ہے۔

شاگرد: جس دن آپ کی چھٹی کی درخواست آتی ہے۔ (توقیر عباس۔ جھنگ صدر)

☆ استاد: عین نوازش کو جملے میں استعمال کرو۔

شاگرد: کل نوازش عین وقت پر سکول پہنچا۔

(طلحہ عبدالرحمٰن۔ کراچی)

☆ ایک دوست: بتاؤ! اس ملک میں سب سے زیادہ شریف آدمی کون ہے؟

دوسرا دوست: نواز شریف۔

(عظمیٰ صغیر۔ حیدر آباد)

☆ لڑکا: (دکان دار سے) آپ کے پاس نیل کٹر ہیں۔

دکان دار: ہاں ہیں۔

لڑکا: تو پھر اپنے ناخن کاٹ لیں۔

(نور الٰہی۔ فیصل آباد)

☆ استاد: دس انڈوں میں سے اگر پانچ انڈے نکال دیے جائیں، کتنے انڈے بچیں گے۔

شاگرد: سر! انڈوں میں سے انڈے نہیں، بچے نکلتے ہیں۔ (ارشد محبوب۔ لکی مروت)

☆☆☆

اولاد نرینہ کیلئے قرآن وسنت کی روشنی میں کامیاب علاج

تحریر: طارق اسماعیل بُھٹہ

(تحصیل رپورٹر کوٹ ادو)

اولاد نرینہ کا حصول ہر انسان کی فطری خواہش ہوتی ہے' اگرچہ بیٹی بھی رحمت ہے لیکن یہ بات بھی حقیقت ہے کہ بیٹا اللہ تعالیٰ کی جانب سے نعمت ہوتا ہے اس لیے ہر انسان رحمت کے ساتھ ساتھ نعمت کے حصول کی کوشش کرنے میں بھی حق بجانب ہوتا ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نسل بیٹے سے چلتی ہے اس لیے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ڈاکٹری اور حکیموں کا علاج بھی اولاد نرینہ کے حصول کیلئے کارگر ثابت ہو سکتا ہے لیکن قرآن وسنت کی روشنی میں اولاد نرینہ کے حصول کیلئے علاج موجود ہے تو پھر اس سے ہر انسان کو فائدہ ضرور اٹھانا چاہیے۔ اولاد نرینہ کیلئے قرآن وسنت کی روشنی میں کوٹ ادو کے معروف عالم دین خطیب اور امام مسجد مولانا محمد شفیع صاحب رابطہ نمبر 0331-6002834 جی ٹی روڈ کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ گزشتہ تقریباً 28 سال سے کامیاب علاج کر رہے ہیں، مولانا محمد شفیع کا قرآن وسنت کی روشنی میں اولاد نرینہ کیلئے طریقہ علاج بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بالکل کامیاب ہے، بلا مبالغہ ان کے طریقہ علاج کی بدولت سینکڑوں لوگ اولاد نرینہ کی نعمت سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔ مولانا کا کہنا ہے کہ اس طریقہ علاج کا فارمولا چونکہ قرآن وسنت سے مستنبط ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مکمل کامیاب ہے۔ اولاد نرینہ کا نہ ہونا بھی ایک مسئلہ اور تکلیف ہے اور جو تکلیف اللہ تعالیٰ نے اتاری ہے اس کا علاج بھی اتارا ہے، اس چیز کو مدنظر رکھ کر بزرگان دین نے وہ اسباب جو اللہ تعالیٰ نے اولاد نرینہ کیلئے مقرر فرمائے ہیں انہیں قرآن وسنت سے اخذ فرما کر یہ طریقہ علاج دریافت کیا ہے۔ مولانا محمد شفیع کا کہنا ہے کہ اس طریقہ علاج سے مستفید ہونے کیلئے قبل از وقت رابطہ کرنا ضروری ہے یہ علاج ان لوگوں کیلئے ہے جن کی مسلسل بیٹیاں ہوں یا بچے زندہ نہ رہتے ہوں یا بچے کسی بیماری میں مبتلا ہو کر یا معذور پیدا ہوتے ہوں۔ اس طریقہ علاج سے فیض یابی حاصل کرنے والوں میں تمام مکاتب فکر کے لوگ بشمول علماء ملک کے بڑے بڑے شہروں میں موجود ہیں۔ مولانا سے علاج کرانے والوں میں سے چند افراد سے ہم نے رابطہ کر کے پوچھا تو کوٹ ادو کے قاری منیر احمد نے بتایا کہ ان کے ہاں بیٹیاں تندرست پیدا ہوئیں لیکن جو بیٹے پیدا ہوتے وہ معذور ہوتے۔ ایک بیٹے کو دل میں سوراخ، دوسرے کے سر میں پرابلم تھا۔ لاہور تک ڈاکٹروں سے علاج کرایا مگر دونوں بچے فوت ہو گئے۔ بہت پریشانی تھی، مولانا محمد شفیع سے علاج کرایا جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے 18 مارچ 2013ء کو تندرست بیٹا عطا فرمایا ہے۔ او جی ڈی سی ایل کوٹ ادو میں تعینات ایک آفیسر اعجاز احمد نے بتایا کہ ہمارے ہاں 4 بیٹیاں ہیں۔ سب بڑے آپریشن سے پیدا ہوئیں، صرف ایک چانس بتایا تھا اولاد نرینہ کیلئے بہت پریشان تھے، روزنامہ ''اسلام'' کے ذریعے مولانا محمد شفیع کے علاج کے بارے میں پتہ چلا، ان سے علاج کرایا جس کی بدولت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے الحمدللہ! 23 دسمبر 2013ء کو اللہ تعالیٰ نے تندرست بیٹے سے نوازا۔ اسی طرح زیر علاج حبیب اللہ نے بتایا کہ ہمارے ہاں سات بیٹیاں ہیں اسی دوران 3 مرتبہ بیٹے ہوئے جو سب فوت ہو گئے۔ روزنامہ ''اسلام'' کے ذریعے معلوم ہونے پر مولانا شفیع سے اس مرتبہ علاج کرایا ہے جو الحمدللہ کامیاب ہوا۔ کیپکو کے چودھری انوار الحق نے بتایا کہ ہم نے دو مرتبہ مولانا محمد شفیع سے اولاد نرینہ کیلئے علاج حاصل کیا جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے دونوں مرتبہ تندرست اولاد نرینہ سے نوازا ہے۔ رضوان بشیر نے بتایا کہ میرے گھر میجر آپریشن سے 3 بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ اولاد نرینہ کیلئے بہت پریشان تھے۔ مولانا محمد شفیع کے علاج کا سن کر رابطہ کیا اور ان سے علاج کرایا۔ اللہ تعالیٰ نے دسمبر 2012ء کو تندرست بیٹا عطا کیا۔ چودھری انوار الحق نے بتایا کہ 6 جون 2010ء کو پریس کلب ملتان میں، میں خود بھی موجود تھا جہاں پر مولانا محمد شفیع صاحب نے چند لوگ میڈیا کے سامنے پیش کرائے جو ان کے زیر علاج تھے اور علاج بھی ابتدائی مراحل میں تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان سب لوگوں کو اولاد نرینہ سے نوازا تھا جنہوں نے 10 فروری 2011ء کو پریس کلب ملتان میں جا کر اس بات کی گواہی بھی دی تھی۔ ہمارا مقصد بھی صرف یہ ہے کہ اولاد نرینہ جیسی نعمت کے حصول کیلئے پریشان لوگوں کو قرآن وسنت کی روشنی میں علاج کرنے والے مولانا محمد شفیع رابطہ نمبر 0331-6002834 کے بارے میں آگاہ کریں تاکہ وہ یہ علاج حاصل کر کے اولاد نرینہ کی نعمت سے سرشار ہو سکیں، مولانا صاحب سے مستفید ہونے کیلئے ضرورت مندوں کو انٹرنیٹ پر دی گئی تفصیلات کو معلوم کر لینا بھی بہتر ہوتا ہے جس کا ایڈریس ہے۔

www.facebook.com/maleprogenythroughquran

آمنے سامنے

☆ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ: بچوں کا اسلام اس وقت سے پڑھ رہا ہوں جب یہ اخباری سائز پر شائع ہوتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے، جس نے مجھے ایک لفظ بھی پڑھایا، وہ میرا استاد ہے۔ آپ نے تو بچوں کا اسلام کے ذریعے ان گنت لوگوں کو دین کی روشنی سے منور کیا ہے، کیونکہ اس میں اسلامی تعلیمات ہوتی ہیں۔ بڑوں کی کہاوت ہے جو درخت جتنا زیادہ پھل دیتا ہے، لوگ اتنا ہی زیادہ اسے پتھر مارتے ہیں۔ آپ کے بارے میں جن صاحب نے وہ خطوط لکھے۔ ان پر بہت افسوس ہے۔ آپ عمر میں بھی اس کے والدین سے بڑے ہیں۔ اس نے آپ کو برا کہا، یعنی اپنے ماں باپ کو برا کہا۔ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دے۔ آمین۔ (عبیدالرحمٰن، صدیق قریشی۔ احمد پور ایسٹ)

ج: کوئی بات نہیں! مدیروں کی زندگی میں ایسی باتیں نئی نہیں۔

☆ شمارہ 597 کی دو باتیں پڑھ کر بندے کو افسوس ہوا۔ اکثر قارئین کو ہوا ہوگا۔ بچوں کا اسلام ایک اسلامی رسالہ ہے۔ روزنامہ اسلام، ضربِ مومن، بچوں کا اسلام، خواتین کا اسلام، شریعہ اینڈ بزنس، یہ بھی رسالے دین کا کام کر رہے ہیں۔ ان کی تو یہی کوشش ہوتی ہے کہ اچھا لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ آپ اپنا مطالعہ وسیع کریں اور سوچیں۔ اگر یہی باتیں آپ سے کہی جائیں تو آپ کیا محسوس کرتے۔ (حکیم محمد صادق۔ ایم ایم روڈ۔ خان پور بگا شیر)

ج: شکریہ!

☆ 596 کی دو باتیں میں آپ کے چھوٹے بھائی کی وفات کی خبر سن کر بہت رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ بلال پاشا نے کراچی کی بسوں کا جس طرح مذاق اڑایا ہے، یہ اتنی بھی بری نہیں ہوتیں۔ ہم عرصہ دراز سے کراچی میں رہتے ہیں۔ ہم نے تو آج تک ایسی بس دیکھی نہیں۔ ویسے کہانی بلند آواز میں گھر والوں کو سنائی۔ سب ہنستے رہے۔ نیوز چینل نے کافی دنوں بعد اپنی جھلک دکھائی۔ حافظ عبدالجبار کی کہانی میں کلیم کا بہت ذکر ہوتا ہے۔ کیا یہ فرضی کردار ہے یا واقعی کوئی مسٹر ہیں۔ آمنے سامنے میں ہر خط کے نیچے جواب نے اس سلسلے کو اور بھی زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے۔ سردیوں کے موسم میں اثر جون پوری آم کے بغیر کیسا محسوس کرتے ہوں گے۔ (بنتِ فضل حسین۔ لیاری کراچی)

ج: وہ جو محسوس کرتے ہوں گے۔ اپنی کسی نظم میں سنا ہی دیں گے۔ انتظار فرمائیں۔

☆ بعض قارئین نیوز چینل پر اعتراض کرتے ہیں، میرا انھیں مشورہ ہے کہ وہ اسے غور سے پڑھ کر دیکھیں۔ انھیں بھی ضرور پسند آئے گا۔ ایک مشورہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں ووٹنگ کر لی جائے کہ اسے باقی رکھا جائے یا ختم کر دیا جائے۔ ایک تاریخ دے دی جائے کہ فلاں تاریخ تک اپنی ڈاک ارسال کر سکتے ہیں اور پھر دونوں کی گنتی کر لی جائے۔ اس کے مطابق عمل کر لیا جائے۔ (محمد فیصل سرورنیلوی۔ اورنگی ٹاؤن)

ج: ترکیب تو اچھی ہے۔ مزید غور کر لیتے ہیں۔

☆ سالنامہ مجھے بہت ہی دیر سے ملا۔ لہٰذا خط بھی دیر سے لکھ رہی ہوں۔ تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں، لیکن سوچ کا سمندر، آنسوؤں کے سائے تلے، ٹھوکر، ایک بوڑھے کی ڈائری، آخری وار، میری زندگی کا مقصد بازی لے گئیں۔ امتحان اور چند یادیں بہت پُرمزاح تھیں۔ ریڈیم کی دریافت اور زیتون کا تیل بہت معلوماتی تھیں۔ ناول تجسس سے بھرپور تھا اور واقعاتِ صحابہ کے تو رسالے کی جان ہیں۔ باقی تمام تحریریں ہی زبردست تھیں۔ (بنتِ افضال احمد عباسی۔ راولپنڈی)

ج: اس قدر دیر سے، کمال ہے۔

☆ فون پر کہانیاں موصول ہونے کے سلسلے میں بات ہوئی، اس کے بعد رسالہ کھول کر دیکھا تو آپ کے بھائی کی وفات کی خبر پڑھی، نہایت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آپ سے دل کا تعلق مضبوط ہوتا جا رہا ہے۔ یہ دین کی ہی برکت ہے کہ ایک دوسرے سے مسلمان ہونے کی بنا پر محبت کرنا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحتِ کاملہ عطا فرمائے اور لمبی عمر عطا فرمائے۔ (سید بلال پاشا۔ واہ کینٹ)

ج: بات تو آپ نے سچے کی لکھی، لیکن کہانیوں کے بغیر۔

☆ مجھے کہانی لکھنے کا ڈھنگ نہیں آتا۔ میرا خط ہی کسی شمارے میں شائع کر دیں۔ جب ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ ہمارے لکھنے والوں میں سے کسی کا تعلق اللہ رب العزت کے کسی نیک بندے سے ہے، دل میں ایک حسرت سی پیدا ہوتی ہے۔ آپ میرے چھوٹے بھائی کے لیے دعا کر دیں کہ اس کا تعلق اللہ والے سے ہو جائے اور لڑکیوں پر ذرا رحم کھا لیا کریں۔ بڑی مشکل سے خط پوسٹ کرواتے ہیں (زہرہ امین۔ راولپنڈی)

ج: ادھر مرد حضرات شکایت کرتے ہیں کہ لڑکیوں کی کہانیاں اور خطوط زیادہ ہوتے ہیں۔

☆ کبھی آپ نے بہتی ندی میں ڈھلتے ہوئے سورج کا عکس دیکھا ہے؟ کتنی اداس لگتی ہے ایسے ماحول کی شام۔ فی الحال وہی اداسی میرے دماغ پر چھائی ہوئی ہے۔ وہ اس لیے کہ گزشتہ گیارہ سالوں میں اشتیاق احمد اور بچوں کا اسلام نے اور ہاں! اثر جون پوری صاحب نے نئے لکھنے والے شعراء کے لیے اور ان کی راہنمائی کے لیے کچھ نہیں کیا۔ سادہ سے کاغذ پر سادہ سے لفظوں میں میرے اس سادہ سے سوال کا جواب ضرور دیں۔ وہ بھی بالکل سادہ سا۔ آپ کی خاطر چند شعر لکھے ہیں۔ صفحے کے دوسری طرف۔ (اے ایس۔ سالم۔ ضلع اوکاڑہ)

ج: اس سادہ سے سوال کا تعلق نہایت سادگی سے اثر جون پوری صاحب سے بنتا ہے۔ میں تو خود شاعری کی الف بے نہیں جانتا۔

☆ شمارہ نمبر 594 ملا، ایک بری خبر لے کر اور ایک اچھی خبر لے کر، بری خبر تو آپ کے برادرِ اصغر کے انتقال کی تھی، جس پر دل بہت رنجیدہ ہوا، ایصالِ ثواب کے لیے سورۃ اخلاص تین بار پڑھی، آیندہ بھی ان کو اپنی دعاؤں میں ان شاء اللہ یاد رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور جملہ پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطا کر دے۔ ہم آپ سے دلی تعزیت کرتے ہیں۔ خوشی کی خبر یہ تھی کہ میرا مضمون رسالے کی زینت بنا ہے، دیکھ کر انتہائی خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجرِ عظیم عطا کر دے۔ (محمد اسعد مدنی۔ نوشہرہ)

ج: آٹھ روپے بلاوجہ ضائع کیے۔ الگ لفافے میں مضامین ارسال کیے۔

☆ میرے والدین وفات پا چکے ہیں۔ صرف بھائی ہیں اور بہنیں ہیں۔ ہم کسی دین دار گھرانے میں رشتے کے آرزومند ہیں۔ اس سلسلے میں آپ ہماری مدد فرمائیں۔ بھائی بہت پریشان ہیں۔ برادری والوں میں کوئی دین دار گھرانے ہیں نہیں، ورنہ رشتہ تو وہ مانگتے ہیں۔ امید ہے، توجہ فرمائیں گے۔ (پنجاب کی ایک بیٹی)

ج: آپ کے لیے دعا کروں گا۔

☆ بندہ بچوں کا اسلام میں اردو ادب کی اہم صنف نظم کی سخت کمی محسوس کر رہا ہے۔ صرف جناب اثر جون پوری صاحب کی شاعری پڑھنے کو ملتی ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے بندہ اپنا کلام بھیج رہا ہے۔ (رونق حکیم آبادی۔ نوشہرہ)

ج: اس سلسلے میں بھی آپ کو پہلے اثر جون پوری صاحب کی خدمات حاصل کرنا ہوں گی۔ انھیں اپنی کوئی نظم بھیج کر معلوم کر لیں۔ آپ شاعری کے میدان میں کتنے پانی میں ہیں۔

☆ بچوں کا اسلام نظر سے گزرتا رہتا ہے۔ قابلِ تعریف ہے۔ آپ سے ملاقات کے موقعے پر ایک کہانی جھوٹے آنسو دی تھی۔ اس پر نام لکھنا یاد نہیں رہا۔ اس کی کوئی خبر نہیں۔ سوچا یاد کرا دوں۔ بچوں کا اسلام کی ردی کی بالٹی بھی ہمارے لیے قابلِ فخر ہے۔ (احمد عبدالرحمٰن۔ جھنگ)

ج: ردی کی بالٹی کو قابلِ فخر قرار دینے پر میں آپ کا دل سے شکرگزار ہوں۔ اب سچے آنسو لکھیں۔

☆ ایک تاریخی مضمون غرناطہ سے متعلق ارسال ہے۔ 2006 سے بچوں کا اسلام کا قاری ہوں۔ بچوں کا اسلام مختصر مگر جامع ہے۔ (محمد فیصل سرورنیلوی۔ اورنگی)

ج: آپ اپنا نام ذرا مختصر کر لیں تو اچھا ہے۔

☆ ہمیں لکھنے والی بہنوں میں ف ک انصاری، فوزیہ خلیل، ساجدہ بتول، بینا رانی، اور بنتِ سیف الرحمٰن کے خطوط بہت اچھے لگتے ہیں اور لکھنے والوں میں حمزہ شہزاد، حافظ عبدالجبار سیال، بہت پسند ہیں اور ہاں محمد شاہد فاروق کا نیوز چینل بہت پسند ہے۔ آپ کے ناول کی کیا بات ہے، لیکن قسط وار چیزوں سے بہت الرجی ہے۔ اللہ آپ کے بھائی کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔ (نورین ایمان۔ ساہیوال)

ج: قسط وار چیزوں سے اگر آپ کو الرجی ہوتی ہے تو ناول پسند کیسے ہیں؟

ضروری نوٹ جن جوابی لفافوں پر لفافے ارسال کرنے والے اپنا پتا خود نہیں لکھتے، انھیں جواب نہیں دیا جاتا، کیونکہ جو لوگ اتنی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے، ان کا یہ حق نہیں بنتا کہ انھیں جواب دیا جائے، وقت سے زیادہ قیمتی اس میدان میں اور کوئی چیز نہیں، بلکہ اس میدان ہی میں نہیں، سبھی میدانوں میں۔ (مدیر)

بسم اللہ کیجیے

حافظ عبدالجبار سیال۔ لاہور

یہ دسمبر کے آخری ہفتے کی ایک صبح تھی۔ سخت سردی، دُھند کا یہ عالم تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہ دے۔ ایک خان صاحب اپنی ریڑھی پر سویٹر اور جیکٹیں سجائے سویرے سویرے اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کا سامان کرنے جا رہے تھے۔ دو پولیس اہلکار اپنی ڈیوٹی ختم کر کے واپس لوٹ رہے تھے۔ وہ خان صاحب کی ریڑھی سے اپنے لیے سویٹر اور جیکٹ پسند کرنے لگے۔ کچھ دیر کے بعد دونوں نے اپنے لیے ایک ایک سویٹر اور جیکٹ اُٹھائی اور کھسکنے لگے۔ خان صاحب فوراً اُن کے راستے میں آگئے۔

''سرکار جی! پیسے! سویٹر اور جیکٹ کے بارہ سو روپے بنتے ہیں۔''

اہلکاروں نے ایک قہقہہ لگایا: ''اوئے ہم سے پیسے مانگتا ہے، ہم سے، شرم تو نہیں آتی نا!''

''سرکار جی! اس میں شرم والی کون سی بات ہے۔ آخر میں بھی یہ کہیں سے خرید کر ہی لاتا ہوں۔ چلیں جتنے کی میں نے خریدی ہے، اتنے پیسے تو دے دیں۔''

''ہٹ پرے، کوئی پیسے ویسے نہیں ہیں۔ چلتے پھرتے نظر آؤ۔''

''نہ صاحب جی نہ! ایسا نہ کریں۔ غریب آدمی ہوں۔ اتنی تو میری سارے دن کی کمائی بھی نہیں ہے، جتنا آپ میرا نقصان کر رہے ہیں۔'' خان صاحب ان اہلکاروں کے سامنے ہاتھ جوڑنے لگے۔

''یہ ایسے نہیں مانے گا۔''

یہ کہہ کر ایک اہلکار نے اس کے دونوں بازو پیچھے کمر کی طرف موڑ لیے۔ دوسرے نے پہلے اس کے سامنے والی اور پھر دونوں طرف والی جیبیں خالی کیں۔ موبائل بھی چھین لیا اور دو تھپڑ بھی رسید کیے۔ میں صبح صبح قریبی دکان سے انڈے خریدنے کے لیے گھر سے نکلا تھا اور اس سارے منظر کو قریب کھڑے دیکھ رہا تھا۔ میرا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ سویٹر اور جیکٹ کا نقصان کوئی کم نہیں تھا مگر اب تو خان صاحب کا سب کچھ لٹ رہا تھا۔ خان صاحب ان کے پاؤں میں گر پڑے۔ انھیں خدا ورسول کے واسطے دیے، مگر اہلکار فاتحانہ انداز میں ایک دوسرے سے ہاتھ ملاتے، جھومتے گاتے وہاں سے چل پڑے۔ خان صاحب ان لٹیروں کو دور تک جاتے دیکھتا رہا۔ شاید اس غریب پر انھیں ترس آجائے مگر ان سنگ دلوں نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ خان صاحب نے اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھایا۔ ایک لمبا سانس بھرا اور اپنی ریڑھی آگے کو سرکا دی۔

ان بے بس و بے کس مظلوموں کی آہوں نے آج ہمارے معاشرے میں جو گھٹن پیدا کی ہے، اس میں سانس لینا بھی محال ہو رہا ہے۔ آج کتنے ہی زور آور ہیں جنھوں نے کمزوروں کا جینا دوبھر کر رکھا ہے۔ ان کی سنگ دلی نے ہمارے قریب و جوار کو جہنم زار بنا رکھا ہے۔

احساس! یہ پانچ حرفوں پر مشتمل ایک لفظ ہے۔ اردو کے اس لفظ میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ اس میں الف اور سین دو حرف دو مرتبہ آتے ہیں۔ یہ حروف ہمیں دعوت دیتے ہیں کہ احساس ایک ایسا جذبہ ہے جسے بار بار سوچا جائے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو ایک انسان کو صحیح معنوں میں انسان بناتا ہے۔ جی ہاں! احساس انسانیت کا، انسانی جذبوں کا، دوسروں کے دکھ درد کا، اپنے مرنے کا، اپنے انجام کا، رشتوں کی خوب صورت مالا کا، دوسروں کے لیے وہی کچھ پسند کرنے کا جو آپ اپنے لیے پسند کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر احساس خدا کے سامنے اپنے جواب دہ ہونے کا۔ یہ سارے احساس اور جذبے کتنے خوب صورت ہیں۔

اگر یہ جذبہ زندہ ہو تو کوئی ریڑھی والا اپنی متاع لٹ جانے پر آہیں نہ بھرے۔ کوئی ملکی خزانے کو اپنی تجوری نہ سمجھے۔ کوئی باپ اپنی اولاد کی نافرمانی کا شکوہ نہ کرے اور نہ اولاد اپنے ماں باپ کی بے رُخی کا رونا روئے۔ کوئی خاوند اپنی بیوی کو جانوروں کی طرح نہ پیٹے اور نہ ہی اپنی بیوی کی سرکشی کا شکوہ کناں ہو۔

آج اگر یہ احساس زندہ ہوتا تو وہ بہن جس کے سر سے اوڑھنی پھسل جائے تو نظریں جھک جاتی ہیں، کافروں کی قید میں اذیت ناک زندگی نہ گزار رہی ہوتی۔ چھوٹے چھوٹے معصوم پھولوں کی لاشیں کفنوں میں لپٹی نظر نہ آتیں۔ ماؤں سے ان کے لال چھین چھین کر آگ میں نہ پھینکے جاتے۔ گوانتاناموبے اور اس جیسی بدنام، زمانہ جیلوں میں انسانیت سوز سلوک کی گنجائش نہ ہوتی۔

آپ یہ احساس زندہ کیجیے۔ پھر آپ دیکھیں گے۔ چائے کے کھوکھے پر کام کرنے والے ''چھوٹو'' کو کوئی دھوپ میں کھڑا کر کے کان نہیں پکڑوائے گا۔ دن بھر اینٹیں اور گارا اُٹھانے والے مزدور کو بغیر مزدوری دیے کوئی دھکے نہیں دے گا۔ ماورائے عدالت قصائیوں کی طرح، کوئی ذبح نہیں ہوگا۔ وقت پر کرایہ نہ دے سکنے والے غریب کا سامان سڑک پر نہیں پھینکا جائے گا۔ چوہدریوں اور سرداروں کی حویلی میں کام کرنے والی ''ماسی'' کی تنخواہ ایک گلاس کے ٹوٹنے پر کوئی نہیں روکے گا۔

تو پھر دیر کس بات کی۔ آیئے آگے بڑھیے۔ بسم اللہ کیجیے اور ہاں! آگے آپ کو ہی بڑھنا ہوگا۔ آپ کو ہی بسم اللہ کرنی ہوگی۔ مت انتظار کیجیے اپنے حکمرانوں کا! وہ مصروف لوگ ہیں۔ ان بے چاروں کے پاس تو اپنے کاموں کو سوچنے کے لیے وقت نہیں ہے۔ وہ آپ کا کیا سوچیں گے۔ مایوس نہ ہوں۔ کامیابی اور جنت جیسا سکون و اطمینان ہمارا منتظر ہے۔

بچوں اور نوجوانوں کے لیے منفرد ہفتہ وار انگریزی میگزین

The TRUTH

Subscription Charges

Rs. 1200 for 1 Year (52 Issues — 4 issues free)
Rs. 600 for 6 months (26 Issues — 2 issues free)
Rs. 300 for 3 months (13 Issues — 1 issue free)

Bank Account → The Truth Intr. Current A/c no. 0184-0100310268
Meezan Bank Gulshan-e-Maymar, Karachi

رقم بذریعہ منی آرڈر اور ایزی پیسہ بھی بھیج سکتے ہیں

کراچی : 0334-3372304 | حیدر آباد: 0300-3037026
لاہور : 0300-4284430 | سرگودھا : 0321-6018171 | سکھر: 0300-9313528
فیصل آباد : 0333-4365150 | راولپنڈی : 0321-5352745 | ملتان: 0305-8425669
پشاور : 0314-9007293 | کوئٹہ : 0321-8045069

پرانے شمارے بھی منگوائے جاسکتے ہیں

سبسکرپشن اور دیگر معلومات کیلئے مرکزی رابطہ
دی ٹرتھ 4-G-1/11 ناظم آباد نمبر 4 کراچی
0322-2740052,021-36881355

www.thetruthmag.com | info@thetruthmag.com